سوزانی درندہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محمود، فاروق، فرزانہ اور انسپکٹر جمشید سیریز ۹۶

سوزانی درندہ

اشتیاق احمد

طابع : اشتیاق احمد
مطبع : زاہد بشیر پرنٹرز، لاہور
خوشنویس : مہر عبدالستار، راجہ جنگ
سرورق : سپریم پرنٹرز انارکلی، لاہور
قیمت : چھ روپے صرف

اشتیاق پبلی کیشنز۔ راجپوت مارکیٹ اردو بازار، لاہور

سوزانی ورندہ نام بھی آپ کو عجیب سا لگے گا، پھر جب آپ ناول شروع کریں گے تو ناول بھی کم عجیب محسوس نہیں ہو گا۔ جوں جوں آگے بڑھتے جائیں گے، اس کے عجیب پن میں اور اضافہ ہوتا جائے گا۔ یہاں تک کہ ناول ختم ہونے کے قریب ہو جائے گا، لیکن اس کا عجیب پن ترقی ہی کر رہا ہو گا۔ دو باتیں یہاں تک پڑھ کر آپ کی بوریت میں بھی حد درجے اضافہ ہو چکا ہو گا، لہٰذا ناول کے بارے میں اب کوئی بات نہیں لکھوں گا۔۔ اب سوال یہ ہے کہ بات کس بات پر ہو گی، بات بے بات کرنے کا تو میں عادی نہیں اور نہ بے پر کی اڑانے کا۔ میں تو دو اور دو چار باتیں کرنے کا عادی ہوں۔۔ یہ اور بات ہے کہ نام ان کا دو باتیں رکھ دیا، وہ بھی اس لیے کہ چار باتیں عنوان پڑھ کر کہیں پڑھنے والے گھبرا نہ جائیں اور یہ خیال نہ کر بیٹھیں کہ یہ باتیں تو شاید شیطان کی آنت کی طرح لمبی ہوں گی، لہٰذا انہیں پڑھنے کی ضرورت ہی کیا ہے، کیوں نہ براہ راست ناول شروع کر لیا جائے، کیا خیال ہے؟

حدیثِ شریف

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

جس نے قرآن میں اپنی رائے سے بات کی، وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنالے۔ اور ایک دوسری روایت میں ہے کہ جس نے قرآن میں علم کے بغیر بات کی، وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنالے۔

(رواہ الترمذی، مشکوٰۃ، کتاب العلم ص،۳۴)

ناول پڑھنے سے پہلے : یہ دیکھ لیں کہ،

- یہ وقت نماز کا تو نہیں؟
- آپ کو سکول کا کوئی کام تو نہیں کرنا، کل آپ کا کوئی ٹسٹ یا امتحان تو نہیں؟
- گھر والوں نے آپ کے ذمّے کوئی کام تو نہیں لگا رکھا؟
- آپ نے کسی کو وقت تو نہیں دے رکھا۔

اگر ان باتوں میں سے کوئی بھی بات ہو تو ناول الماری میں رکھ دیں، پہلے نماز اور دوسرے کاموں سے فارغ ہولیں، پھر ناول پڑھیں۔

مخلص : اشتیاق احمد

کام ہوگیا

ٹیکسی سے اترنے والے درمیانے قد کے آدمی نے اس پرانے مکان کو بغور دیکھا، دروازے پر لگی نام کی تختی کو پڑھا اور پھر دائیں ہاتھ سے اسے تھپتھپا ڈالا، کیونکہ گھنٹی کا بٹن کہیں بھی نظر نہیں آیا تھا۔

اس وقت رات کے ساڑھے بارہ بج رہے تھے۔ دور دور تک کسی انسان کا نشان نظر نہیں آ رہا تھا، سوائے اس کے۔ ہاں، دور کہیں کتوں کے بھونکنے کی آواز ضرور سنائی دے رہی تھی۔ پہلی دستک کے جواب میں اندر نہ کوئی آہٹ سنائی دی اور نہ مکان کے کسی کمرے میں روشنی ہوئی۔ پورا مکان تاریک پڑا تھا۔ اگر سڑک پر سرکاری بلب نہ جل رہا ہوتا تو شاید اسے ٹارچ کی مدد لینا پڑتی۔ اس ویران سی سڑک پر بس اکا دکا ہی مکان تھے، بہت دُور دُور۔

اس نے قدرے جھنجلا کر دوبارا دروازہ کھٹکھٹایا، آخر تیسری دستک

پرے جا کر کہیں اندر روشنی ہوئی اور پھر قدموں کی آواز ابھری، پھر
اندر کنڈی گرنے کی آواز پیدا ہوئی اور دروازہ چرچراہٹ کی آواز سے
کھل گیا — سڑک کے کنارے کھمبے پر جلنے والے بلب کی روشنی
ناکافی تھی یا پھر مکان سے جھانکنے والے بوڑھے کی نظر کمزور تھی۔
وہ اپنے دروازے پر آنے والے کو صاف طور پر دیکھ نہ سکا اور
بولا:

"کون ہے؟"

اس کے کون ہے، کہنے سے پہلے ہی دو میانہ قد والا اپنا
ہاتھ جیب میں ڈال چکا تھا اور پھر فوراً ہی ہاتھ باہر نکال کر اس
نے کوئی چیز منہ میں ڈال لی — اس کے بعد جب بوڑھے نے کون
ہے، کہا تو وہ بولا:

"میرا نام مُوفلی ہے — بہت دُور سے آیا ہوں۔"

"اور کیا مجھی سے ملنے آئے ہیں؟" بوڑھے نے پوچھا۔

"ہاں بالکل، صرف اور صرف آپ سے۔" وہ بولا۔

"تب پھر آپ مجھے جانتے ہوں گے، جو لوگ مجھے نہیں جانتے
کبھی مجھ سے ملنے نہیں آئے۔" بوڑھے کا لہجہ عجیب سا تھا۔

"آپ کا خیال بالکل ٹھیک ہے — میں آپ کو اچھی طرح
جانتا ہوں۔"

"لیکن میں کسی مسٹر مُوفلی کو نہیں جانتا اور جن لوگوں کو میں

نہیں جانتا، ان سے کوئی معاملہ کبھی نہیں کرتا۔" بوڑھا بولا۔

"میں یہ بھی جانتا ہوں، لیکن اس کے ساتھ ساتھ یہ بات بھی
میرے علم میں ہے کہ آپ کے دوستوں کے دوست — ان کی معرفت
آپ سے معاملہ طے کر سکتے ہیں۔"

"ہاں یہ ٹھیک ہے — تو پھر آپ میرے کس دوست کی طرف
سے آئے ہیں۔"

"کنگ رائے —" موفلی نے صرف اپنے دوست کا نام لیا۔

"کنگ رائے۔" بوڑھے نے بڑبڑانے کے انداز میں کہا، پھر اس
کی پیشانی پر بل پڑ گئے — آخر اس نے کہا:

"اندر تشریف لے آئیے — یہاں کھڑے رہ کر باتیں کرنا کچھ
مناسب نہیں۔"

موفلی اس کے پیچھے اندر داخل ہوا — ڈرائنگ روم کی طرز
پر سجے ایک کمرے میں داخل ہوتے ہوئے اس نے کہا:

"تشریف رکھیے مسٹر موف — لی —" بوڑھے نے اس کے نام
کو دو حصوں میں ادا کیا، پھر خود بھی بیٹھتے ہوئے بولا:

"کنگ رائے نے مجھ سے دو تین مرتبہ معاملہ کیا ہے — وہ بھی
میرے ایک دوست کی معرفت آئے تھے، لہذا میں آپ کو بھی
احترام کی نظر سے دیکھتا ہوں اور ہر خدمت کے لیے تیار ہوں۔"

"کام بتانے سے پہلے میں یہ اطمینان کرنا چاہوں گا کہ میں

کسی غلط جگہ یا غلط آدمی کے پاس تو نہیں آ گیا — آپ مسٹر جالوم ہی ہیں نا؟"

"اگر نہ ہوتا تو کنگ رائے کا حوالہ کس طرح قبول کرتا۔" بوڑھے نے پہلی بار منہ بنایا۔

"جی ہاں، جی ہاں، ٹھیک ہے۔"

"اب آپ اپنا معاملہ بتائیے — میرا خیال ہے، اس بات کی وضاحت کی ضرورت نہیں کہ میں کس چیز کا ماہر ہوں۔"

"جی ہاں، کنگ رائے نے مجھے سب کچھ بتا دیا ہے۔"

"تو پھر بتائیے، میں کیا خدمت کر سکتا ہوں۔"

"مجھے ایک شخص کو ہلاک کرنا ہے — اس طرح کہ کوئی مجھ پر شک بھی نہ کر سکے، بلکہ میری بجائے کوئی اور آدمی گرفتار کیا جائے اور اسی کو سزا ہو۔"

"بہت خطرناک، بہت خوفناک — میں اب تک صرف ڈاکے اور چوریاں کرنے کے منصوبے بناتا اور فروخت کرتا رہا ہوں۔"

"لیکن اس سے آپ کو کیا فرق پڑتا ہے — آپ کا نام تو درمیان میں آتا ہی نہیں — آپ تو ہر طرح محفوظ رہتے ہیں۔" موفلی بولا۔

"لیکن اس کے باوجود میں اپنی گرفتاری کو ناممکن بات خیال نہیں کرتا — میرے کسی منصوبے کے ناکام ہونے پر مجرم پکڑے

جائیں تو ظاہر ہے، وہ میرا نام بھی لیں گے اور اس طرح پولیس مجھے بھی گرفتار کیے بغیر نہیں رہے گی — اب اگر معاملہ صرف چوری یا ڈاکے کا ہے تو چند سال کی سزا ہو سکتی ہے، لیکن اگر وہ معاملہ قتل کا ہو تو پھر ساری عمر کے لیے بھی جیل جانا پڑ سکتا ہے لہذا میں ایسا کوئی منصوبہ بنانے سے بہت خوف کھاتا ہوں۔ آپ مسٹر کنگ رائے کے دوست ہیں، یہ اطمینان لے کر یہاں سے واپس چلے جائیے کہ میں آپ کے بارے میں پولیس کو کچھ نہیں بتاؤں گا —" جالوم نے روانی کے عالم میں کہا۔

"میں مایوس لوٹنے کے لیے نہیں آیا — آپ کو میرے لیے منصوبہ بنانا ہی پڑے گا — چوری اور ڈاکے کے منصوبے آپ دس سے بیس ہزار روپے تک میں فروخت کر دیتے ہیں، لیکن میں آپ کو اس منصوبے کے پچاس ہزار روپے دوں گا، یہ بھی تو سوچیے —"

"پچاس ہزار روپے ایسے کام کے لیے کوئی بڑی رقم نہیں، کیونکہ ناکامی کی صورت میں ساری عمر جیل میں گزر سکتی ہے یا پھر پھانسی کا تختہ بھی نصیب ہو سکتا ہے، لہذا میں اب بھی انکار کرتا ہوں —"

"آپ ذرا معاملے کی نزاکت کو محسوس کریں — آپ اس ملک میں ایک گمنام آدمی کی زندگی گزار رہے ہیں، ہیں بھی غیر ملکی — جس

دن کسی ذمے دار افسر کو یہ معلوم ہو گیا کہ آپ کیا کاروبار کرتے ہیں، وہ آپ کو ہمیشہ کے لیے جیل بھیج دے گا۔"

"گویا آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ اگر میں نے آپ کے لیے منصوبہ نہ بنایا تو آپ میرے بارے میں پولیس کو خبر کر دیں گے۔" ماسٹر جالوم نے اسے گھورا۔

"میرا خیال ہے، آپ کی طرف سے مایوس ہونے پر میں یہ کام بھی کر گزروں گا۔"

"اچھی بات ہے، میں آپ کے لیے منصوبہ بناؤں گا۔" ماسٹر جالوم نے کچھ سوچ کر کہا۔

"بہت بہت شکریہ ـــ میں جانتا تھا، آپ یہ کام ضرور کریں گے۔ میں رقم لے کر کب حاضر ہوں؟"

"کل اسی وقت ـــ اب تفصیل بتایئے ـــ آپ کس شخص کو ہلاک کرنا چاہتے ہیں؟"

"میں ساری تفصیل ایک کاغذ پر لکھ لایا ہوں۔ آپ اسے پڑھ لیں، سب کچھ سمجھ جائیں گے ـــ بس یہ خیال رہے، مجھ پر کوئی بھی شک نہ کرنے پائے۔"

"آپ شک کی زد میں آئیں یا نہ آئیں، مجرم ثابت نہیں کیے جائیں گے ـــ بعض اوقات شک کی زد میں آنا بھی مفید ہوتا ہے ـــ خیر میں کل تک منصوبہ تیار کر لوں گا اور آپ

کے آنے پر تفصیلات سمجھا دوں گا، آپ فکر نہ کریں۔"

اس دوران مسٹر موفلی جیب سے ایک کاغذ نکال کر اس کی طرف بڑھا چکا تھا۔ ماسٹر جالوم نے کاغذ کو کھولا اور اس میں گم ہو گیا ـــ پانچ منٹ بعد اس نے سر اٹھایا اور بولا:

"ٹھیک ہے، میں ساری بات سمجھ گیا۔ اب آپ کل اسی وقت تشریف لائیے گا ـــ آپ کے پاس ایک بریف کیس میں پچاس ہزار روپے ہونے چاہییں۔" یہ کہتے ہوئے اس نے ہاتھ آگے بڑھایا۔

"اچھی بات ہے، فکر نہ کریں، ایسا ہی ہوگا۔" موفلی نے ہاتھ بڑھایا اور اٹھ کھڑا ہوا۔

⊙

دوسرے دن اسی وقت موفلی نے پھر ماسٹر جالوم کے گھر کے دروازے پر دستک دی ـــ تھوڑی دیر بعد دروازہ کھلا اور جالوم نے کہا۔

"میں اطمینان کر چکا ہوں، آپ پولیس کو ساتھ لے کر نہیں آئے۔"

"تو کیا آپ کا یہ خیال تھا کہ میں اپنے ساتھ پولیس لے کر

آؤں گا، تاکہ وہ آپ کو گرفتار کرے، لیکن آپ نے غلط اندازہ لگایا تھا۔ آپ کو پولیس کے حوالے کر کے میں قتل کا منصوبہ کس طرح حاصل کر سکتا تھا؟"

"خیر چھوڑیے، کیا آپ پچاس ہزار روپے لائے ہیں؟"

"بالکل، اس بریف کیس میں پورے پچاس ہزار روپے ہیں۔ انہیں گن لیں، اپنا اطمینان کر لیں۔"

"ٹھیک ہے، بعد میں گن لوں گا، آپ منصوبے کی تفصیلات پڑھ لیں اور اگر کوئی بات سمجھ میں نہ آئے تو پوچھ لیں۔" ماسٹر جالوم نے کہا۔

موفلی نے بریف کیس ایک طرف رکھ دیا اور کاغذ لے کر اسے پڑھنے لگا۔ صرف دو منٹ بعد اس نے کہا:

"بہت خوب، کتنا شاندار اور سیدھا سادا منصوبہ ہے۔ بہت ہی مہارت سے بنایا گیا ہے۔ آپ اس قسم کے کاموں میں بلاوجہ ہی ماسٹر مشہور نہیں ہیں۔ اچھا تو میں چلتا ہوں، نوٹ گن لیجیے گا۔"

"آپ اس طرح نہیں جا سکتے۔" ماسٹر جالوم نے عجیب سے لہجے میں کہا۔

"کیا مطلب؟" موفلی چونکا۔

"جب بھی کوئی مجھ سے منصوبہ بنواتا ہے، میں رقم وصول کرنے

اور منصوبہ اس کے حوالے کرنے کے بعد اسے چائے پلائے بغیر جانے کی اجازت نہیں دیتا۔ آپ کو بھی چائے پی کر جانا ہوگا۔" ماسٹر جالوم بولا۔

"اوہ، یہ بات ہے۔ مگر ماسٹر مجھے بہت افسوس ہے، کچھ دنوں سے میرا پیٹ خراب ہے۔ ڈاکٹر نے چائے، کافی اور سوڈا واٹر سے بالکل منع کر رکھا ہے، لہٰذا مجھے تو اجازت ہی دیں۔" یہ کہہ کر اس نے کلائی کی گھڑی پر ایک نظر ڈالی اور پھر گھبرا اٹھا:

"اوہو، مجھے تو بہت دیر ہوگئی۔ میرے دوست میرا انتظار کر رہے ہوں گے۔"

یہ کہہ کر وہ مڑا اور بیرونی دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ دروازے سے باہر نکل کر وہ تیز تیز قدم اٹھاتا سڑک پر پہنچا۔ یہاں ایک کار کھڑی تھی۔ اس نے کار کا دروازہ کھولا اور اس میں بیٹھ گیا۔ کار میں ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھے ہوئے شخص نے کہا:

"چلیں موفلی؟"

"نہیں، چند منٹ ٹھہریں۔" موفلی نے کہا۔

"کام ہو گیا یا نہیں؟" ڈرائیور نے پوچھا۔

"ہاں جناب، ہو گیا۔ آپ فکر نہ کریں۔" موفلی نے کہا۔

پھر کار میں خاموشی چھا گئی۔ سڑک دور دور تک سنسان پڑی تھی، ہُو کا عالم طاری تھا۔ اچانک ایک کان پھاڑ دینے

والا دھماکا ہوا اور ساتھ ہی اس نے کہا:

"ٹھیک ہے، چلیے۔"

کار ایک جھٹکے سے روانہ ہوئی اور رفتار پکڑنے لگی۔

اجازت لینے کی اجازت

نواب خالد کریم غسل خانے سے نکل کر ناشتے کی میز کی طرف بڑھ رہے تھے کہ ان کی نظر بیرونی دروازے کے اندر کی طرف پڑے ایک زرد لفافے پر پڑی۔ انہوں نے حیرت زدہ سے انداز میں لفافہ اٹھا لیا اور پھر میز کی طرف بڑھتے ہوئے اس میں سے کاغذ نکالنے لگے۔ لفافے میں سے نکلنے والا کاغذ چھوٹا سا تھا، لیکن اس پر لکھی ہوئی تحریر نے انہیں بوکھلا دیا۔ وہ جلدی سے کرسی پر بیٹھ گئے اور ایک بار پھر سے اسے پڑھنے لگے۔ اب ناشتے کی میز پر بیٹھے نواب خالد کے چھوٹے بھائی حامد کریم اور ان کی بیوی روبی بھی ان کی طرف متوجہ ہو چکے تھے۔ اور تو اور ملازم بھی ناشتے کے برتن لگاتے لگاتے رک گیا اور ان کی طرف دیکھنے لگا، کیونکہ نواب خالد کے چہرے پر ایک رنگ آ رہا تھا تو دوسرا جا رہا تھا۔

"کس کا خط ہے بھائی جان؟" چھوٹے بھائی سے رہا نہ گیا۔

"پپ، پتا نہیں۔" وہ ہکلائے اور پھر کاغذ ان کے سامنے

میز پر گرا دیا — انہوں نے کاغذ پر لکھے الفاظ جلدی جلدی پڑھے :

" نواب صاحب،

میں یہاں پہنچ گیا ہوں — میں نے آپ سے پہلے ہی
کہہ دیا تھا، ایک دن میں ضرور آپ تک پہنچ جاؤں گا —
اب آپ کی زندگی کے دن بس گنے چنے رہ گئے ہیں۔ آپ
عنقریب میری گولی کا نشانہ بننے والے ہیں —

سوزانی درندہ "

" سوزانی درندہ " حامد کریم اور اس کی بیوی روبی بڑبڑائے — ان کے رنگ اڑ گئے —

ملازم کی آنکھیں بھی کھلی کی کھلی رہ گئیں — ان کے منہ سے خواب کی سی حالت میں نکلا :

" سوزانی درندہ "

اب نواب خالد کریم، ان کے بھائی اور روبی کی نظریں بھی اس پر جم گئیں —

" رؤف احمد سوزانی، کیا یہ خط تم نے بھائی جان کو لکھا ہے ؟"
حامد کریم کی تیز نظریں اس کے چہرے پر گویا گڑ گئیں —

" نن — نہیں — ہرگز نہیں — مم — میں — میں کیوں لکھتا " ملازم رؤف احمد سوزانی نے گڑبڑا کر کہا۔

" نہیں، اس غریب کو پریشان نہ کرو — یہ کام اس کا نہیں ہو

سکتا " نواب خالد کریم نے جلدی سے کہا —

" یہ بات آپ یقین سے کس طرح کہہ سکتے ہیں، جب کہ آج کے دور میں ملازموں کا کوئی اعتبار نہیں " روبی بولی —

" اس لیے کہ رؤف میرا بہت پرانا ملازم ہے — جب میں ملک سوزان گیا تھا اور وہاں جا کر رہا تھا تو رؤف احمد ہی وہاں میرا ہمدرد اور غمگسار تھا — اس وقت اگرچہ اس کا نام ٹامبو تھا، لیکن جب میں وطن واپس لوٹا تو یہ بھی وہاں نہ رہ سکا اور اپنا وطن چھوڑ کر میرے ساتھ چلا آیا — یہاں پر اس نے مسلمانوں کے طور طریقے دیکھے تو یہ بھی اسلام کی تعلیم سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا اور اسلام لے آیا — میں نے اس کا نام رؤف احمد سوزانی رکھ دیا، تاکہ یہ بات ہمیشہ یاد رہے کہ رؤف میرے ساتھ سوزان سے آیا تھا، لہٰذا اس وفادار ملازم پر شک کرنے کے بارے میں سوچا بھی نہیں جا سکتا " انہوں نے جلدی جلدی کہا —

" یہ بات تو خیر ہمیں معلوم ہے، لیکن اس کے باوجود کسی کے بارے میں کچھ نہیں کہا جا سکتا — یہ دنیا بہت ظالم ہے بھائی جان "

" ہوگی، رؤف احمد ایسا نہیں "

" جب کہ میں نے پہلے بھی کئی بار یہ سوچا ہے کہ کہیں سوزانی درندہ رؤف احمد کے روپ میں آپ کے ساتھ ہی تو نہیں آ گیا ؟"
حامد کریم نے کہا۔

"اس کا یہاں پہنچ جانا کوئی ناممکن بات نہیں۔ رؤف احمد اگر سوزانی درندہ ہوتا تو وہ ایک عرصے سے یہاں رہ رہا ہے، کبھی کا مجھ پر وار کر چکا ہوتا۔"

"پھر اب آپ کیا کریں گے؟" روبی نے اس بحث کو ختم کرنے کے لیے کہا۔ ادھر رؤف احمد سوزانی کا رنگ زرد پڑ گیا۔ رنج اور غم کی وجہ سے اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

"رؤف، تم کچھ خیال نہ کرو۔ حامد کی تو عادت ہے۔ شروع دن سے تمہیں فراڈیا اور دھوکے باز خیال کرتا چلا آ رہا ہے اور آج تک اسی رائے پر ڈٹا ہوا ہے۔ لیکن تم کیا ہو، یہ میں جانتا ہوں۔"

ان کے ان الفاظ نے رؤف احمد کی کچھ ڈھارس بندھائی۔ اسی وقت روبی نے پھر کہا:

"آپ نے بتایا نہیں بھائی جان، ان حالات میں آپ کیا کریں گے۔ ظاہر ہے، سوزانی درندہ ایک بہت ظالم اور خوف ناک قسم کا آدمی ہے۔ اگر وہ وار کر بیٹھا تو کیا ہو گا؟"

"ٹھہرو رانی، مجھے غور کرنے دو۔" وہ روبی کو ہمیشہ رانی کہہ کر مخاطب کرتے تھے اور روبی کو بھی اس نام سے پکارا جانا پسند تھا۔

نواب خالد کریم گہری سوچ میں غرق ہو گئے، پھر کسی نتیجے پر پہنچنے کے بعد انہوں نے فون کا ریسیور اٹھایا اور کسی کے نمبر گھمانے لگے۔

۱۰

تینوں نے ایک ساتھ لائبریری کے بند دروازے پر دستک دی۔ اندر سے فوراً انسپکٹر جمشید نے ناگوار لہجے میں کہا:

"اب کیا بات ہے؟"

"جی وہ۔ امی جان کا کہنا ہے کہ ناشتا ٹھنڈا ہو جائے گا۔" محمود نے مسمسی صورت بنائی۔

"تو کیا ہوا، اسے پھر گرم کیا جا سکتا ہے۔ تم ناشتا کر لو۔"

"امی جان کا حکم ہے کہ ہم آپ کے بغیر ناشتا نہیں کریں گے۔" فرزانہ بولی۔

"پہلے بھی دو بار کہہ چکا ہوں، میں ایک بہت ضروری کام نبٹا رہا ہوں، جب تک کام ختم نہیں ہو جائے گا، میں لائبریری سے نہیں نکلوں گا۔ ساتھ ہی میں یہ بھی کہتا ہوں کہ میرا انتظار کرنے کی ضرورت نہیں، تم لوگ ناشتا کر لو۔" انسپکٹر جمشید کی بھنائی ہوئی آواز سنائی دی۔

"تو پھر ابا جان، آپ ناشتا لائبریری میں ہی منگالیں، اس طرح تو ہم ناشتا کرتے اچھے نہیں لگتے۔"

"اچھے نہیں لگتے تو نہ سہی۔ بس تم لوگ ناشتا کر لو۔ اس

کام کو ختم کرنے میں اگر مجھے تمام دن لگا تو بھی میں فارغ ہونے
کے بعد ہی باہر نکلوں گا۔"

"حیرت ہے، ایسا کون سا کام آ پڑا۔ پہلے تو آپ کبھی
کسی کام کے لیے اس حد تک سنجیدہ نہیں ہوئے تھے۔" فاروق
نے گھبرا کر کہا۔

"تمہارا مطلب ہے، میں غیر سنجیدہ رہتا ہوں، ہائیں۔" ان کی
آواز میں غصہ شامل ہو گیا۔

"ج، جی۔ جی میرا یہ مطلب نہیں تھا۔"

"خیر، اب تم لوگ جاؤ اور اپنی امی کو سمجھاؤ۔ خبردار، جو
تم نے اب ادھر کا رخ کیا اور اگر کسی کا فون بھی آ جائے تو
بھی مجھے فون سننے سے محفوظ رکھنا تم تینوں کا کام ہو گا۔"

"جی کیا مطلب، فون سننے سے آپ کو محفوظ رکھیں، وہ
کیسے؟" محمود نے حیران ہو کر کہا۔

"یہ فرزانہ سے پوچھو۔ عام حالات میں تڑاتڑ ترکیبیں بتاتی
ہے، میری باری میں کیا اس کا ذہن کند ہو جائے گا۔ بس اب
جاؤ، مجھے پریشان نہ کرو۔ صرف اتنا سن لو کہ میں جو کام کر رہا
ہوں، وہ صدر مملکت صاحب نے سونپا ہے۔ یہ کوئی جاسوسی کام
نہیں ہے۔ ملک اور قوم کی بہتری کے سلسلے میں ایک کام ہے اور
بس۔ اب میں کچھ نہیں بولوں گا۔"

"بہت بہتر ابا جان، اگر یہ بات ہے اور آپ کی مرضی یہی ہے
تو ہم ناشتے کی میز پر چلے جاتے ہیں، لیکن مشکل یہ ہے کہ ادھر
امی جان ناشتا کرنے پر آمادہ نہیں، جب تک کہ آپ نہ آ جائیں۔"
فرزانہ نے بلند آواز میں کہا، لیکن انسپکٹر جمشید تو اب دم سادھ چکے تھے۔

"آؤ بھئی چلیں، اب وہ کسی بات کا جواب نہیں دیں گے۔" محمود
نے مایوسانہ لہجے میں کہا۔

"ہاں چلو۔" فاروق نے تھکی تھکی آواز میں کہا۔

تینوں ایک ساتھ قدم اٹھاتے صحن کی طرف آئے۔ بیگم جمشید
نے نظریں اٹھاتے ہوئے کہا:

"میں پہلے ہی جانتی تھی، تم ناکام لوٹو گے۔ چلو اب ناشتا
کر لو۔" یہ کہتے وقت ان کے چہرے پر مسکراہٹ تھی۔

"لیکن امی جان، آپ بھی تو ہمارے ساتھ ناشتا کریں۔"

"میری فکر چھوڑو، میں تو انہی کے ساتھ ناشتا کروں گی۔ میرا تو
مرنا جینا انہی کے ساتھ ہے۔"

"چاہے وہ تمام دن ناشتا نہ کریں؟" فرزانہ بولی۔

"ہاں، نہ کریں۔" انہوں نے لاپروائی سے کہا۔

"بہت اچھا، پھر تو مجبوری ہے۔ آؤ بھئی، کم از کم ہم تینوں تو
ناشتا کر لیں۔" فاروق بولا۔

"کیوں، ہم ہی کیوں کریں۔ ہم بھی نہیں کریں گے۔"

"اس طرح تم مجھے ایک شدید پریشانی میں مبتلا کروگے۔ میں
تمام دن بے چین رہوں گی، بلکہ تڑپتی رہوں گی کہ ہمارے ساتھ
ہمارے لالوں نے بھی ناشتا نہیں کیا۔"

"ہوں واقعی، آج ہم ایک بہت ہی سنگین مسئلے سے دوچار
ہوگئے ہیں، اب کیا کریں؟" محمود نے مشورہ طلب کرنے کے انداز
میں فاروق اور فرزانہ کی طرف دیکھا۔

"ہوں، تب پھر بہتر یہی ہے کہ کم از کم ہم ناشتا کرہی لیں۔
امی جان کو تکلیف پہنچانا تو کسی طرح بھی جائز نہیں۔" فرزانہ نے کہا۔

"ٹھیک ہے، آؤ پھر۔ کیونکہ ابھی ہمیں ایک اور سنگین مسئلے
سے بھی نبٹنا ہے۔" فاروق بولا۔

"وہ کون سا مسئلہ۔"

"جی، ٹیلی فون کا مسئلہ۔" فاروق نے مسمسی صورت بنائی۔

"یہ کیا مسئلہ ہوا؟" بیگم جمشید حیران ہوکر بولیں۔

"ابا جان کے لیے بھلا کیا مشکل ہے، کب کس چیز کو مسئلہ بنا دیں۔
آج ہمیں انہیں ٹیلی فون سننے سے بھی محفوظ رکھنا ہے۔" محمود نے
کندھے اچکائے اور وہ مسکرا کر رہ گئیں۔ ابھی انہوں نے ناشتے کی
طرف ہاتھ بڑھایا ہی تھا کہ فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ ان کے ہاتھ اُٹھے
کے اُٹھے رہ گئے۔ محمود نے جلدی سے ریسیور اٹھایا تو دوسری طرف
سے خان رحمان کی آواز سنائی دی:

"خان رحمان بول رہا ہوں۔"

"السلام علیکم انکل۔"

"وعلیکم السلام، محمود، یہ تم ہو؟"

"جی ہاں انکل، صبح صبح آپ کی آواز سن کر بہت خوشی ہوئی۔"

"بھئی، بات یہ ہے کہ آج چھٹی کا دن میں نے نئے انداز سے
گزارنے کا پروگرام بنایا ہے۔ تینوں گھر ایک ساتھ جمع ہو کر گزاریں گے
اور وہ اس طرح کہ عورتیں الگ، مرد الگ۔ اس پروگرام کے لیے میرا
گھر مناسب رہے گا۔"

"لیکن انکل۔" محمود نے بوکھلا کر کہا۔

"بھئی، اس میں بوکھلانے کی کیا بات ہے اور یہ لیکن کہاں سے
ٹپک پڑا۔" خان رحمان جلدی سے بولے۔

"جی، وہ۔ بات یہ ہے کہ آج ابا جان فارغ نہیں ہیں۔"

"ان کے فارغ ہونے کی بھی ایک ہی کہی۔ وہ تو کبھی فارغ
ہوئے ہی نہیں۔ تم فکر نہ کرو، میں انہیں فارغ کرلوں گا۔ ریسیور
انہیں دے دو۔"

"یہی تو مشکل ہے انکل، ہم میں سے کوئی ریسیور انہیں نہیں دے
سکتا۔ وہ اس وقت لائبریری میں بند ہیں اور لائبریری والے فون کا
ریسیور انہوں نے اٹھا کر میز پر رکھا ہوا ہے۔ حکم یہ ہے کہ ان تک
کسی کا فون، بلکہ فون کا پیغام بھی نہ پہنچے۔ وہ آج کسی بہت ہی اہم

کام میں مصروف ہیں اور یہ کام صدرِ مملکت نے ان کے ذمے لگایا ہے۔"

"اوہ، تو یہ بات ہے۔ خیر بھئی، چلو ہم انہیں فرصت سے نکالے دیتے ہیں۔ آپ سب لوگ تو آ سکتے ہیں؟"

"جی، میں کچھ کہہ نہیں سکتا، ابا جان سے اجازت لینے کی اجازت ہے نہیں۔ انہیں بتائے بغیر اگر ہم آپ کی طرف آگئے تو آنے والے فون کون سنے گا۔"

"ہوں، یہ تو بہت ٹیڑھا مسئلہ ہے۔ خیر پہلے میں پروفیسر صاحب سے بات کر لوں، اس کے بعد کوئی تجویز پیش کروں گا۔" یہ کہہ کر انہوں نے ریسیور رکھ دیا۔

محمود نے بھی ریسیور رکھ کر انہیں ساری بات بتائی۔ وہ مسکرا اٹھے۔ اسی وقت فون کی گھنٹی ایک بار پھر بجنے لگی۔

"یا اللہ رحم، شاید آج یہ بھی ہمارے پیچھے ہی پڑ جائے گا۔" محمود نے گھبرا کر کہا۔ اور فون کا ریسیور اٹھا کر بولا:

"ہیلو، محمود بول رہا ہوں۔ آپ کون صاحب ہیں؟"

"نواب خالد کریم، بیٹے فون اپنے والد کو دو۔"

"جی، وہ۔ وہ تو اس وقت فون نہیں سن سکتے۔"

"کیوں، کیا ان کے کانوں میں کوئی خرابی ہو گئی ہے؟" دوسری طرف سے حیرت بھری آواز سنائی دی۔

"جی، بات دراصل یہ ہے کہ وہ ایک بہت اہم سرکاری کام میں مصروف ہیں۔ ان کی ہدایت یہ ہے کہ جب تک وہ فارغ ہونے کا اعلان نہ کر دیں، انہیں کسی فون کی اطلاع نہ دی جائے۔ اس لیے میں معذرت چاہتا ہوں۔"

"اوہ، لیکن وہ کب تک فارغ ہو جائیں گے۔"

"کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ ہو سکتا ہے، شام تک فارغ ہو جائیں، یہ بھی ہو سکتا ہے کہ رات تک بھی فارغ نہ ہوں۔"

"اوہ، اب میں کیا کروں۔"

"جی، کس سلسلے میں؟" محمود نے حیران ہو کر کہا۔

"انسپکٹر جمشید میرے بہت اچھے دوست ہیں۔ ان کے والد میرے والد کے دوست تھے۔ مجھے ایک زبردست پریشانی کا سامنا ہے۔ ان حالات میں مجھے انہی کا خیال آتا ہے۔" وہ حسرت زدہ لہجے میں کہتے چلے گئے۔

"کیا آپ کی پریشانی کچھ جاسوسی قسم کی ہے؟" محمود نے پوچھا۔

"جاسوسی پریشانی۔" نواب خالد کریم حیرت زدہ انداز میں بڑبڑائے، پھر جلدی سے بولے:

"اوہ، بالکل بالکل۔ یہ ایک جاسوسی قسم کا ہی معاملہ ہے۔"

"تب پھر ہم آ جاتے ہیں۔"

"چلیے یونہی سہی" نواب صاحب نے جلدی سے کہا۔

"فکر نہ کریں، ہم پہنچ رہے ہیں۔ پتا لکھوادیں۔"

ریسیور رکھ کر محمود ان کی طرف مڑا اور ساری بات انہیں بتائی۔

"لیکن ہم وہاں کس طرح جا سکتے ہیں، انکل خان رحمان بُرا نہیں مانیں گے" فرزانہ نے پریشان ہو کر کہا۔

"نواب صاحب کے ہاں ہم امی جان کو لے کر نہیں جا رہے۔ جب کہ انکل کے ہاں ہمیں امی جان سمیت جانا پڑتا اور اس طرح ابا جان یہاں تنہا رہ جاتے اور ان کی موجودگی میں آنے والے فون کوئی نہ سن سکتا۔ نواب خالد کریم کے ہاں ہم تینوں جائیں گے اور ابا جان کو فون کالوں سے امی جان بچائیں گی" محمود نے مسکرا کر کہا۔

"ارے باپ رے" بیگم جمشید گڑبڑا اٹھیں۔

"اور انکل خان رحمان کو بھی آپ سمجھا دیجیے گا" یہ کہہ کر محمود اٹھ کھڑا ہوا۔ فاروق اور فرزانہ نے اس کا ساتھ دیا۔ تینوں موٹر سائیکلوں پر سوار ہو کر نواب خالد کریم کے ہاں پہنچے۔ ان کی کوٹھی شارع الطاف کی تیسری گلی میں تھی۔ نواب صاحب انہیں روش پر ہی ٹہلتے ملے۔ جوں ہی انہوں نے ان کے موٹر سائیکلوں کی آواز سنی، ان کی طرف لپکے۔

"چلو، شکر ہے، کم از کم تم لوگ تو آئے۔"

"معاملہ کیا ہے؟" محمود بولا۔

"آؤ آؤ، ابھی بتاتا ہوں۔"

وہ انہیں ڈرائنگ روم میں لے آئے اور پھر وہ خط نکال کر ان کے آگے رکھ دیا۔ تینوں نے خط کے الفاظ کو بغور پڑھا۔ پھر محمود نے کہا:

"یہ خط آپ کو کب اور کیسے ملا؟"

"ابھی تھوڑی دیر پہلے۔ بیرونی دروازے کے اندر کی طرف پڑا تھا؛ گویا کسی نے دستی دروازے کے نیچے سرکا دیا تھا۔"

"ہاں، اس پر ڈاک خانے کی مہر بھی نہیں ہے۔ صبح سویرے لفافہ ملنے کا ایک مطلب یہ بھی ہے کہ یہ کسی نے رات کے وقت پھینکا تھا۔ پھاٹک عبور کر کے اس دروازے تک آنا پڑا ہو گا اور میرا خیال ہے، رات کی تاریکی میں پھاٹک پھلانگنا کچھ مشکل تو نہیں" فرزانہ نے جلدی جلدی کہا۔

"ہاں، کچھ مشکل نہیں" انہوں نے کہا۔

"چلیے، یہ بات تو طے ہوئی کہ لفافہ کس طرح پہنچا۔ اب یہ بتائیے کہ سوزانی درندہ کون ہے؟"

"یہ ایک بہت لمبی کہانی ہے۔ افریقہ کے ملک سوزان میں میں نے اپنی زندگی کا ایک حصہ گزارا ہے۔ تعلیم سے فارغ ہوتے ہی میں دنیا کی سیاحت کے لیے نکل گیا۔ سوزان مجھے اس قدر پسند

آیا کہ میں نے کچھ عرصہ وہیں گزارنے کا فیصلہ کیا۔ وقت گزاری کے لیے وہاں ہیروں کی ایک کان خرید لی اور اس پر کام شروع کرا دیا۔ وقت گزرتا گیا، لیکن اس کان سے کچھ بھی نہ نکلا، پھر ایک دن ایک سیاہ فام آدمی میرے پاس آیا۔ اس نے کان کو خریدنے کی پیش کش کی۔ مجھے حیرت ہوئی کہ اس بے کار کان کو خرید کر وہ شخص کیا کرے گا، جس سے مجھے سوائے نقصان کے کچھ حاصل نہیں ہوا۔ میں نے اسے ٹال دیا اور دوسرے دن کان کا خود جا کر معائنہ کیا۔ مزدوروں کے چہروں پر کچھ عجیب سی کیفیت طاری تھی جو اس سے پہلے کبھی دیکھنے میں نہیں آئی تھی؛ تاہم انھوں نے مجھے یہی بتایا کہ کان سے آج تک کچھ بھی نہیں نکلا اور نہ کچھ نکلنے کی امید ہے، لیکن میں نے صاف محسوس کیا کہ وہ جھوٹ بول رہے ہیں، جھوٹ ان کے چہروں پر لکھا نظر آ رہا ہے؛ چناں چہ دوسرے دن میں نے اپنی نگرانی میں کھدائی شروع کرا دی۔ اب وہ پریشان رہنے لگے۔ ایسے میں وہ سیاہ فام بھی ادھر آ نکلا۔ اس نے جو مجھے وہاں دیکھا تو چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا اور کہنے لگا:

'میں نے اس کان کو فروخت کرنے کی درخواست کی تھی۔ آپ نے نہیں مانا۔ اب میں اسے زبردستی حاصل کروں گا۔'

'زبردستی، وہ کیسے؟' میں نے حیران ہو کر کہا۔

'بہت جلد آپ کو معلوم ہو جائے گا۔' اس نے کہا اور چلا گیا۔

چند دن گزر گئے۔ صبح سے شام تک ڈیوٹی دینے کے بعد بھی کان سے کچھ نہ نکلا۔ میں نے فیصلہ کیا، کسی ماہر سے اس کی نگرانی کرانی چاہیے؛ چنانچہ ایک ماہر تلاش کیا اور اس سے کان کا برادہ چیک کرایا۔ اس نے پھٹی پھٹی آنکھوں سے اس برادے کو دیکھا اور پھر بولا:

'یہ۔ یہ کان تو یورینیم کی ہے، جو اس وقت دنیا کی سب سے زیادہ قیمتی دھات ہے اور اس دھات کو دنیا کے بڑے بڑے ملک ہاتھوں ہاتھ خریدنے کے لیے تیار ہیں۔'

'اوہ۔' میں دھک سے رہ گیا؛ گویا کان ہیروں سے بھی زیادہ قیمتی ثابت ہو گئی تھی۔ اب مجھے معلوم ہوا، وہ سیاہ فام کیوں کان خریدنا چاہتا تھا۔ یہ مزدور ضرور اس سے ملے ہوئے تھے۔ میں نے ان مزدوروں کو اسی وقت چھٹی دے دی۔ پروگرام یہ بنایا کہ اس بات کی اطلاع باقاعدہ حکومت کو دے دوں اور حکومت خود اس کان سے یورینیم نکلوائے اور مجھے میرا حق دیتی رہے اور خود وہ یورینیم کو بڑی طاقتوں کے ہاتھ فروخت کر دے۔ دوسرے دن مجھے اس پروگرام پر عمل کرنا تھا، لیکن ایسا نہ کر سکا۔ ہوا یہ کہ رات کو سونے کے لیے لیٹ گیا۔ رات کے ٹھیک بارہ بجے کسی کے دھم سے گرنے کی آواز سن کر میں جاگ اٹھا۔ دیکھا تو وہی سیاہ فام کمرے میں موجود تھا۔ اس کی آنکھیں شعلے برسا رہی تھیں۔ اس کے ایک ہاتھ میں خنجر

اور دوسرے میں پستول تھا۔ چند سیکنڈ تک وہ مجھے سانپ ایسی آنکھوں
سے گھورتا رہا، پھر اس طرح بولا، جیسے کوئی خواب میں بولتا ہو۔

’تم نے میری پیش کش نہیں مانی۔ اب تم زندہ نہیں رہ سکو
گے۔ مرنے کے لیے تیار ہو جاؤ۔‘

یہ کہہ کر اس نے خنجر سے وار کیا۔ میں کالج کے زمانے
میں جوڈو اور کراٹے سیکھتا رہا تھا۔ اس وقت یہ چیز میرے کام آئی۔
نہایت پرسکون انداز میں میں نے خود کو بچایا۔ نہ صرف بچایا، بلکہ
اس کے خنجر والے ہاتھ پر اپنے ہاتھ کی ہڈی بھی دے ماری۔ خنجر
اس کے ہاتھ سے نکل گیا۔ اس سے پہلے کہ میں جھک کر خنجر اٹھا
لیتا، اس نے فائر جھونک مارا۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے اس کی گولی سے
محفوظ رکھا۔ فائر کی آواز مکان میں گونج اٹھی۔ میرا سوزانی ملازم بھی
وہاں پہنچ گیا اور ہم دونوں نے مل کر سیاہ فام کے خلاف جنگ تیز
کردی۔ ایسے میں خنجر میرے ہاتھ لگ گیا، لیکن سیاہ فام اب بھی
خوف زدہ نظر نہیں آ رہا تھا۔ اس کے حوصلے بہت بلند تھے، جب
کہ میں اور میرا ملازم اس آفتِ ناگہانی سے بوکھلائے ہوئے تھے۔
بوکھلاہٹ سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اس نے ہم پر پے در پے فائر
کیے۔ ایک گولی میری ٹانگ میں لگی۔ دوسری گولی ملازم کے بائیں بازو
کی ہڈی توڑتی ہوئی نکل گئی، لیکن اس کے بعد وہ کوئی فائر نہ کر
سکا۔ باقی ملازم بھی وہاں پہنچ گئے تھے۔ ان میں سے صرف ایک نے

عقل مندی دکھائی، یہ کہ پولیس کو فون کر دیا۔ باقی تین پہلے ملازم
کی طرح سیاہ فام سے ٹکرا گئے، لیکن وہ ہم سب پر اب بھی
بھاری تھا۔ اس کے ہاتھ پیر بجلی کی طرح چل رہے تھے۔ کمرے
میں چیخ وپکار کا ایک عجیب عالم تھا۔ ہم ادھ موئے ہو گئے اور
پھر اس نے آگے بڑھ کر میرے ہاتھ سے خنجر چھین لیا۔ گولی
لگنے کی وجہ سے میں گر پڑا تھا۔ اس کا خنجر والا ہاتھ اٹھا ہی تھا کہ
پولیس کمرے میں داخل ہوگئی۔ سیاہ فام کا ہاتھ اٹھا کا اٹھا رہ گیا۔
اسے گرفتار کر لیا گیا۔ پولیس افسر اس کے چہرے پر نظر پڑتے
ہی چونک اُٹھا۔

’اوہو، یہ۔ یہ تو درندہ ہے!‘

’درندہ، کیا مطلب؟‘

’جی ہاں، سوزان میں یہ شخص درندے کے نام سے مشہور ہے۔
اچھے اچھے اس سے کانپتے ہیں۔ بڑی حیرت کی بات ہے کہ آپ
اس سے محفوظ رہے، لیکن سوال تو یہ ہے کہ یہ آپ کو کیوں ہلاک
کرنا چاہتا تھا!‘

میں نے کان والا معاملہ انہیں بتا دیا، اس طرح سوزانی درندہ
جیل پہنچ گیا۔ میں نے کان کا انتظام حکومت کے حوالے کر دیا۔
حکومت نے میرا شکریہ ادا کیا اور مجھے برابر کا حصہ دینے کا وعدہ کیا۔
مجھے بہت سا حصہ ملا بھی۔ پھر ایک دن اچانک اطلاع ملی کہ

سوزانی درندہ جیل سے فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا ہے۔ پولیس
آفیسر فوری طور پر مجھ سے ملے۔ انھوں نے بتایا کہ درندے کا
کچھ سراغ نہیں مل رہا۔ خیال ہے کہ وہ آپ کو نقصان پہنچانے
کی کوشش کرے گا، لہٰذا آپ کو چاہیے کہ فوراً اس ملک سے
نکل جائیں — میں بھی اب وہاں رہتے رہتے اکتا گیا تھا، لہٰذا اپنے
ملک چلا آیا۔ جہاز میں بھی مجھے درندے کی طرف سے ایک خط ملا۔
اس میں اس نے لکھا تھا کہ وہ ایک دن مجھ تک ضرور پہنچے گا اور
مجھے گولی کا نشانہ بنا کر رہے گا۔ یہ ہے سوزانی درندے کی کل
کہانی۔" یہاں تک کہہ کر نواب خالد کریم خاموش ہو گئے۔

"کافی خوف ناک کہانی ہے۔" فاروق نے خوف زدہ انداز میں
کہا۔

"اور اب اتنا عرصہ گزرنے کے بعد پھر اس کا خط ملا ہے؛
گویا وہ نہ صرف یہاں پہنچ گیا ہے، بلکہ اس نے میرا پتا بھی چلا لیا
ہے۔" انھوں نے کہا۔

"خیر پتا چلانا تو کچھ مشکل نہیں تھا — حیرت تو اس بات پر
ہے کہ سوزان کی حکومت سے نظریں بچا کر وہ یہاں آنے میں کامیاب
کس طرح ہو گیا — ہو سکتا ہے، وہ سوزان سے نکل کر کسی ساتھ والی
ریاست میں داخل ہو گیا ہو اور وہاں سے جہاز میں سوار ہو کر یہاں
پہنچ گیا ہو۔" محمود نے سوچ میں گم لہجے میں کہا۔

"ضرور ایسی ہی کوئی بات ہے۔"

اسی وقت سیاہ فام ملازم رؤف احمد سوزانی کمرے میں داخل
ہوا۔

"جی فرمائیے۔" اس نے با ادب ہو کر کہا۔

"مہمانوں کے لیے چائے کا بندوبست کرو۔"

"جی بہتر۔" یہ کہہ کر ملازم مڑا اور دروازے کی طرف چل پڑا۔

"اس کی قطعاً ضرورت نہیں، ہم ناشتا کر کے ہی گھر سے
چلے ہیں — مہربانی فرما کر ملازم کو منع کر دیجیے۔"

"اچھا رؤف، رہنے دو۔"

"جی بہتر۔"

"مسٹر رؤف، ذرا سنیے۔" فاروق بول پڑا — رؤف واپس مڑا
اور قدرے حیران ہو کر بولا

"جی فرمائیے۔"

"نواب صاحب، ہم دیکھ رہے ہیں — آپ کے یہ ملازم بھی
سیاہ فام ہیں، یہ کیا معاملہ ہے۔"

"یہی وہ ملازم ہے جو درندے سے لڑائی کے وقت سب سے
پہلے میری مدد کو پہنچا تھا — یہ اس وقت سوزان میں میرے پاس
ملازم تھا۔ یہاں آتے وقت یہ بھی میرے ساتھ آ گیا۔ یہاں آ کر
مسلمان ہو گیا — پہلے اس کا نام ٹامبو تھا، اب رؤف احمد سوزانی

"اور یہ اردو بھی بول لیتے ہیں۔"

"کچھ اردو تو مجھ سے اس نے اپنے وطن میں ہی سیکھ لی تھی اور یہاں آنے کے بعد تو چونکہ واسطہ ہی اردو سے رہ گیا ہے، لہذا اب اردو میں بات چیت کرنا اس کے لیے مشکل نہیں رہا۔"

"شکریہ، آپ جا سکتے ہیں مسٹر ٹامبو۔ ہمارے لیے چائے تیار نہ کریں۔" فاروق نے کہا۔

"ٹامبو نہیں، رؤف احمد سوزانی — اب میں الحمدللہ مسلمان ہوں۔"

"اوہ ہاں، مجھے افسوس ہے، بھول میں ٹامبو کہہ گیا۔"

رؤف احمد مڑا اور کمرے سے نکل گیا۔

"نواب صاحب، یہ بلائے بغیر کس طرح آ گیا؟"

"میں نے ہدایت کر رکھی ہے کہ جب بھی کوئی مہمان میرے ساتھ ڈرائنگ روم میں آ کر بیٹھے، یہ خود ہی چائے وغیرہ کے لیے معلوم کرنے آ جایا کرے۔ آپ کی آمد کی تو اسے پہلے سے اطلاع تھی۔" انہوں نے کہا۔

فرزانہ خط کی تحریر کو غور سے دیکھ رہی تھی، اچانک وہ بولی:

"آپ نے اس تحریر کو غور سے دیکھا ہوگا؟"

"ہاں، یہ ٹھیک ہے۔"

"وہ خط آپ کے پاس موجود ہے جو جہاز میں آپ کو ملا تھا؟"

"نہیں میں نے وہ تو اسی وقت پھاڑ دیا تھا۔"

"اوہ۔" فرزانہ کے منہ سے نکلا اور خط نواب صاحب کی طرف بڑھا دیا۔ انہوں نے اسے پھر جیب میں رکھ لیا۔

"اب ہم یہ معلوم نہیں کر سکتے کہ یہ خط واقعی درندے نے لکھا ہے۔"

"بھلا اس کے علاوہ اور کون لکھے گا، کسی اور کو ایسا کرنے کی کیا ضرورت تھی!" نواب صاحب کے لہجے میں حیرت تھی۔

"ہاں، یہ بھی ٹھیک ہے — خیر، اب ہم سب سے پہلے تو آپ کی پوری کوٹھی کا جائزہ لیں گے۔ اس کے بعد کوٹھی کے ایک ایک فرد سے بات چیت کریں گے۔ آپ کو چاہیے کہ رات کے وقت چوکس رہیں، تمام دروازے اور کھڑکیاں بند رکھیں، گھر کے کسی فرد یا ملازم تک پر اعتبار نہ کریں — خود کو بھی کمرے میں پوری طرح بند کر کے سوئیں اور پولیس سے درخواست کریں کہ آپ کی حفاظت کا کوئی انتظام کر دے۔"

"تو کیا آپ لوگ اپنی کارروائی مکمل کر کے چلے جائیں گے؟"

"جی ہاں، حالات کا جائزہ لینے اور اپنے اندازوں سے آپ کو خبردار کرنے کے بعد بھلا ہم یہاں ٹھہر کر کیا کریں گے۔ ظاہر ہے، درندے نے آپ پر حملہ کرنے کی کوئی تاریخ تو مقرر کی نہیں۔ اب کیا خبر، وہ کب حملہ کرتا ہے۔"

"ہوں، آپ ٹھیک کہتے ہیں۔ خیر، میں وہی کروں گا جو آپ کہیں گے۔ کاش، انسپکٹر جمشید یہاں آجاتے۔"

"فکر نہ کریں، فارغ ہونے کے بعد وہ یہاں ضرور آئیں گے۔ ایسے معاملات میں وہ بہت زیادہ دلچسپی لیتے ہیں۔"

اچانک ایک ہولناک چیخ کی آواز کانوں سے ٹکرائی۔ پل بھر کے لیے وہ ساکت رہ گئے۔ پھر ڈرائنگ روم سے دوڑتے ہوئے باہر نکلے۔ نواب صاحب ان سے آگے تھے اور برآمدے میں دوڑے جا رہے تھے۔

نشانا کون

نواب صاحب دوڑتے ہوئے ایک کمرے میں گھس گئے۔ محمود، فاروق اور فرزانہ نے ان کا ساتھ دیا۔ انہوں نے دیکھا، کمرے میں ایک عورت فرش پر بے ہوش پڑی تھی۔ ایک نوجوان آدمی اس پر جھکا ہوا تھا اور اسے جھنجوڑ کر ہوش میں لانے کی کوشش کر رہا تھا۔ اسی وقت دوڑتے قدموں کی آواز سنائی دی۔ رؤف احمد سوزانی اور دو اور ملازم اندر داخل ہوئے۔ ان کے چہروں پر بھی ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔

"کک۔ کیا ہوا جناب؟" رؤف احمد ہکلایا۔

"پپ۔ پتا نہیں۔" نواب صاحب بولے، پھر نوجوان کی طرف متوجہ ہوئے۔

"حامد، جلدی بتاؤ، کیا ہوا؟"

"مجھے کچھ معلوم نہیں۔ میں لائبریری میں تھا۔ میں نے روبی کی چیخ سنی تو دوڑتا ہوا آیا، لیکن یہ بے ہوش پڑی تھی۔" اس نے کہا۔

"اس کا مطلب ہے، یہ ہوش میں آنے کے بعد ہی کچھ بتا سکیں گی۔" محمود نے کہا۔ حامد کریم نے اُسے گھور کر دیکھا، پھر حیران ہو کر بولا:

"یہ — یہ کون لوگ ہیں؟"

"انسپکٹر جمشید کے بچے، میری دعوت پر آئے ہیں، تاکہ سوزانی درندے کے معاملے پر غور کر سکیں —" انہوں نے کہا۔

"سوزانی درندہ ہمارے سامنے ہے بھائی جان، عقل کی آنکھیں استعمال کیجیے — آپ اسے ساتھ لے کر آتے ہیں۔" حامد کریم نے تقریباً چیخ کر کہا۔

"حامد، بدگمانی اچھی نہیں — رؤف تو میرے ساتھ تھا اور درندے کے خلاف لڑا تھا، پھر یہ خود درندہ کس طرح ہو سکتا ہے۔ اور اگر یہ کسی طرح درندہ ہے تو اب تک کیوں خاموش رہا۔ مجھے ختم کرنے کے تو اسے ہزاروں موقعے ملے ہوں گے۔"

"خیر، آپ نہیں مانتے، نہ سہی۔"

اسی وقت روبی نے آنکھیں کھول دیں — نوجوان اس پر جھک گیا اور بے چین ہو کر بولا:

"روبی، تمہیں کیا ہوا؟

"تم ٹھیک تو ہو رانی؟" نواب صاحب بے تاب ہو کر بولے۔

"مم — میں — وہ — وہ — وہ سیاہ فام......"

"سیاہ فام، کیا مطلب؟"

"ہاں، میں نے باغ میں کھلنے والی کھڑکی کھولی تو مجھے اس کا خوف ناک چہرہ نظر آیا — اُف خدا، بالکل سیاہ چہرہ۔" اس نے کانپ کر کہا۔

نواب صاحب تیزی سے اس کھڑکی کی طرف بڑھے — فوراً ہی محمود چلا اٹھا:

"ٹھہریے جناب، کھڑکی کے نزدیک نہ جائیے — کیا خبر درندہ باغ میں موجود ہو اور اس کے پاس پستول بھی ہو، وہ آپ کو نہایت آسانی سے نشانہ بنا ڈالے گا۔"

"اوہ —" نواب صاحب چونک کر رک گئے —

"فرزانہ، تم یہیں ٹھہرو — کھڑکی پر نظر رکھنا — میں اور فاروق باغ کا جائزہ لے کر ابھی آتے ہیں۔"

"اچھا۔" فرزانہ بولی اور وہ دونوں تیز تیز قدم اٹھاتے کمرے سے نکل آئے —

"کہیں ہمارے ساتھ کوئی ڈراما تو نہیں کھیلا جا رہا۔" محمود بڑبڑایا۔

"چلو اچھا ہے، بہت دنوں سے ہمارے ساتھ کوئی ڈراما کھیلا بھی تو نہیں گیا۔" فاروق نے خوش ہو کر کہا۔

"دماغ تو نہیں چل گیا۔" محمود نے اسے گھورا۔

"ہاں، چل گیا ہے۔ لیکن میرا نہیں، تمہارا۔" فاروق گنگنایا۔

"چپ رہو، اگر باغ میں سوزانی درندے سے ملاقات ہو گئی تو نانی یاد آ جائے گی۔"

"اگر مجھے نانی یاد آئی تو چھٹی کا دودھ تمہیں بھی یاد آ کر رہے گا۔"

"دھت تیرے کی۔" محمود نے جھلا کر ران پر ہاتھ مارا۔

دونوں باہر نکل کر باغ میں داخل ہوئے۔ دیوار کے ساتھ ساتھ دبے پاؤں چلتے وہ اس کھڑکی تک پہنچ گئے، جس کے دوسری طرف سب لوگ جمع تھے۔ یہاں کھڑے ہو کر انہوں نے چاروں طرف بغور دیکھا۔ کھڑکی کے نیچے گھاس موجود تھی، اس لیے قدموں کے نشانات نظر آنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔

"یہاں تو کوئی نظر نہیں آتا۔" فاروق بڑبڑایا۔

"تب پھر ان صاحبہ کو وہم ہوا ہو گا۔" محمود نے کہا۔

"آؤ واپس چلیں۔" فاروق بولا۔

"عقل کے پیچھے ہاتھ دھو کر نہ پڑا کرو۔ ہم اس کھڑکی کو کھلوا کر بھی تو اندر داخل ہو سکتے ہیں۔"

"اوہ، یہ بھی ٹھیک ہے۔ تو پھر آؤ، ادھر سے ہی چلیں۔"

انہوں نے کھڑکی پر ہاتھ مارا۔ فوراً ہی فرزانہ کی آواز سنائی دی:

"ادھر کون ہے؟"

"ہم دونوں۔" فاروق بولا اور کھڑکی کھل گئی۔ وہ کھڑکی پھلانگ کر کمرے میں آ گئے۔

"انہیں ضرور وہم ہوا ہے۔ باغ میں تو کوئی بھی نہیں ہے۔" محمود نے کہا۔

"ہرگز نہیں، میں نے اس سیاہ چہرے کو بہت اچھی طرح دیکھا تھا۔"

فاروق نے کچھ سوچ کر کھڑکی بند کر دی۔

"اب کیا کیا جائے، مجھے تو خوف محسوس ہو رہا ہے۔" نواب خالد کریم نے فکر مندانہ لہجے میں کہا۔

"وہی، جو ہم پہلے ہی بتا چکے ہیں۔ پولیس کو فون کر دیں، انسپکٹر صاحب آ کر حالات کا جائزہ لے لیں گے اور اپنے ایک دو ماتحت یہاں مقرر کر دیں گے۔"

"اچھی بات ہے، میں فون کیے دیتا ہوں۔ آئیے باہر چلیں، فون برآمدے میں ہے۔"

"ہم اس پوری کوٹھی کا جائزہ لینا چاہتے ہیں۔"

"ٹھیک ہے، میں رؤف احمد کو آپ لوگوں کے ساتھ کر دیتا ہوں۔" یہ کہہ کر وہ رؤف احمد کی طرف مڑے اور اسے ہدایات دیں:

"کوٹھی کا ہر حصہ انہیں دکھا دو، جو یہ پوچھیں، بتا دو۔"

"جی بہتر" اس نے کہا اور تینوں کو لے کر آگے بڑھ گیا۔

کوٹھی کافی بڑی تھی۔ اس میں دس کے قریب کمرے تھے، لیکن ان میں سے زیادہ تر غیر آباد پڑے تھے، کیونکہ اس گھر کے افراد ہی کتنے تھے۔

"کیا نواب صاحب کے بیوی بچے نہیں ہیں؟"

"جی نہیں، شادی کی تھی۔ ایک لڑکا بھی ہوا تھا، لیکن لڑکے کی پیدائش کے موقعے پر بیوی مر گئی، پھر وہ بچہ بھی زندہ نہ بچا۔ اس کے بعد سے اب تک انہوں نے دوسری شادی نہیں کی۔" رؤف احمد نے بتایا۔

"جب یہ سوزان گئے تھے۔ اس وقت شادی شدہ تھے یا غیر شادی شدہ؟"

"بیوی اور بچے کے مرنے کے بعد ہی تو یہ دنیا کی سیاحت کے لیے نکلے تھے۔"

"اوہ، یہ سن کر بہت افسوس ہوا۔" فرزانہ بولی۔

"سوزان میں درندے والا جو واقعہ ہوا، کیا وہ بالکل سچ ہے۔"

"جی، جی ہاں۔ بھلا اس میں جھوٹ کیوں ہونے لگا۔"

"کیا سوزانی درندہ اس قدر خوفناک بلا ہے کہ سوزان کی حکومت اسے جیل سے فرار کے بعد گرفتار نہیں کر سکی۔"

"پولیس نے اسے گرفتار کرنے کی ضرورت محسوس کی ہو گی،

لیکن ......" رؤف احمد کچھ کہتے کہتے رک گیا۔

"لیکن کیا؟" محمود جلدی سے بولا۔

"اس کے بارے میں یہ سنا جاتا تھا کہ وہ ایک بڑے ملک کا پالا ہوا غنڈا ہے، جسے اس ملک نے ہمارے ملک میں غنڈا گردی کے لیے چھوڑا ہوا ہے۔"

"تمہارا مطلب ہے، اس بڑی حکومت کے ذریعے وہ جیل سے فرار ہوا؟" محمود نے چونک کر کہا۔

"جی ہاں — اور اسی کی مدد سے سوزان سے فرار ہونے میں کامیاب ہوا ہو گا۔"

"ہوں، شاید تم ٹھیک کہتے ہو۔"

اب وہ کوٹھی کی چھت کا رخ کر رہے تھے۔ زینے پر پہنچ کر وہ رک گئے۔ رؤف احمد نے چٹخنی گرادی اور دروازہ کھولنے کی کوشش کی۔ لیکن پھر اس کے ہاتھ گویا دروازے کے ہینڈل پر جم کر رہ گئے۔

"کیوں بھئی رؤف احمد سوزانی صاحب، کیا آپ کا ارادہ بدل گیا ہے اور اب آپ ہمیں چھت کی سیر کرانا نہیں چاہتے؟" فاروق نے اسے گھورا۔

"یہ — یہ بات نہیں ہے۔" وہ ہکلایا۔

"تو — تو پھر کیا بات ہے؟" فاروق نے بھی بالکل اسی

کے انداز میں کہا۔

" دروازہ دوسری طرف سے بند ہے اور یہ عجیب ترین بات ہے، کیونکہ گھر کے سب افراد تو نیچے ہیں، پھر چھت پر دروازہ کس نے بند کیا اور کیوں ؟"

" اوہ !" ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔ پھر ان کی آنکھوں میں خوف دوڑ گیا۔ عین اسی وقت ایک فائر کی آواز گونجی، ساتھ ہی چیخ سنائی دی۔

⊙

" باپ رے، یہ کیا ہوا ؟" رؤف احمد کپکپا اُٹھا۔

" شاید درندے کا وار چل گیا، جلدی نیچے چلو۔"

وہ کئی کئی سیڑھیاں پھلانگ گئے۔ پہلے تو اس برآمدے میں آئے، جہاں سب لوگوں کو چھوڑا تھا، لیکن وہاں تو کوئی بھی نہیں تھا۔ دوڑتے ہوئے آخر وہ لان میں نکل آئے اور پھر ٹھٹک کر رہ گئے۔ اسی وقت ایک ملازم پہنچا :

" وہ۔ وہ پھاٹک سے نکل کر گیا ہے۔"

محمود، فاروق اور فرزانہ ایک ساتھ دوڑ پڑے۔ گلی میں انہیں کوئی بھی نظر نہیں آیا۔ اسی رفتار سے دوڑتے ہوئے وہ سڑک پر

پہنچے۔ اتفاق کی بات کہ سڑک اس وقت صاف تھی ؛ تاہم دُور بہت دُور ایک کار اُڑی جا رہی تھی ؛ گویا قاتل اس کار پر فرار ہو رہا تھا۔

" دھت تیرے کی ۔ وہ نکلا جا رہا ہے اور ہمیں ابھی موٹر سائیکل لانا ہوں گے ۔" محمود نے بھنا کر ران پر ہاتھ مارا۔

" یہ ران پر ہاتھ مارنے کا وقت نہیں ہے، کام کا وقت ہے۔ تم دونوں بلا کی رفتار سے جاؤ اور موٹر سائیکلیں لے آؤ۔ میں یہیں ٹھہرتی ہوں ۔" فرزانہ چیخ اٹھی۔

محمود اور فاروق اس کے سوا کر بھی کیا سکتے تھے، واپس دوڑ پڑے۔ سڑک پر پہنچے تو فرزانہ کو غائب پایا۔

" ہائیں، یہ فرزانہ کہاں چلی گئی ؟" محمود نے بوکھلا کر کہا۔

" شاید اسے زمین کھا گئی یا آسمان نگل گیا، فی الحال ہم اس کی تلاش میں نہیں نکل سکتے، آؤ چلیں ۔" فاروق نے منہ بنایا۔

" نہیں، وہ ضرور کسی ٹیکسی میں بیٹھ گئی ہوگی اور کار کے تعاقب میں نکل چکی ہوگی ۔" محمود نے خیال ظاہر کیا۔

" خدا کرے، ایسا ہی ہو ۔"

دونوں موٹر سائیکلوں پر بیٹھے اور اس سمت میں روانہ ہو گئے۔

"یہ سڑکیں آج کس خوشی میں سنسان نظر آ رہی ہیں؟" فاروق بولا۔

"بھئی، چھٹی کا دن ہے، صبح کا وقت ہے۔ سڑکیں سنسان نہیں تو کیا آباد نظر آئیں گی۔"

"یہ چکر میری سمجھ میں نہیں آیا۔"

"ایک یہی کیا، تمہاری سمجھ میں تو کبھی بھی کوئی چکر نہیں آتا۔" محمود نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔

"اچھا تو تلملا کیوں رہے ہو— تم بتا دو، یہ چکر کیا ہے؟"

"سیدھا سادا اور صاف ستھرا سا چکر ہے، یعنی انتقام کا' اور بس— ساتھ ہی یہ بھی کہ سوزانی درندہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو گیا ہے۔" محمود نے کہا۔

"گویا نواب صاحب گئے۔" فاروق کے لہجے میں افسوس نمایاں ہو گیا۔

"ہاں، اس کے علاوہ کیا کہا جا سکتا ہے۔" محمود نے سرد آہ بھری۔

"اللہ رحم کرے۔ کاش، وہ اس منحوس کتاب کو فوراً درندے کے ہاتھ فروخت کر دیتے۔"

"انہیں کیا معلوم تھا کہ یہ معاملہ اتنا طول بھی کھینچ سکتا ہے اور ان کی موت پر ختم ہو گا۔"

"گویا اب ہمیں سوزانی درندے کو گرفتار کرنا ہے۔ خیر پہلے تو ہم اس تعاقب سے بنٹ لیں۔ اس کے بعد پولیس کو فون کریں گے۔ پھر ہماری چھٹی، معاملہ ختم۔"

"واقعی، یہ تو بہت مختصر معاملہ ثابت ہوا۔" فاروق نے خوش ہو کر کہا۔

"بشرطیکہ ہم سوزانی درندے کو پکڑنے میں کامیاب ہو گئے۔" محمود بولا:

"حیرت ہے، ابھی تک ہمیں فرزانہ کی ٹیکسی بھی تو نظر نہیں آئی۔"

"اور— اور تم نے یہ بھی محسوس کیا کہ سڑک سرحد کی طرف جا رہی ہے۔"

"ہاں، گویا سوزانی درندہ اب کسی طرح سرحد پار کرنے کی کوشش کرے گا۔"

"اور اگر وہ نکل گیا تو یہ ہمارا ایک ناکام ترین کیس ہو گا۔"

"اور ابا جان خوب مذاق اڑائیں گے کہ چلے تھے کیس حل کرنے۔"

اچانک انہیں ایک ٹیکسی نظر آ گئی۔ وہ آگے کی طرف جانے کی بجائے ان کی طرف آ رہی تھی۔

"ہو نہ ہو، اس ٹیکسی میں فرزانہ ہے۔" محمود بولا۔

"یہ ہو نہ ہو سے کیا مراد ہے؟"

"پتا نہیں، یہ تمہیں مراد جاننے کی کیا پڑی رہتی ہے۔" محمود نے منہ بنایا۔ اتنے میں ٹیکسی نزدیک آگئی۔ اس کی آہستہ ہوتی رفتار سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ اس میں فرزانہ ہی ہے۔ انہوں نے بھی رفتار کم کرلی، پھر آمنے سامنے رک گئے۔

"کیوں فرزانہ، کیا رہا؟"

"ناکامی، میں سرحد سے آگے نہیں جا سکی اور کوئی کار سرحد تک نہیں گئی؛ گویا وہ درمیان میں ہی کہیں سڑک سے اُتر گیا اور بن میں آگے بڑھ گئی۔ اس نے کار دائیں یا بائیں کھڑی کردی ہو گی اور خود بھاگ نکلا ہوگا۔" فرزانہ نے خیال ظاہر کیا۔

"اس صورت میں ہم اس کار کو تو تلاش کر ہی سکتے ہیں، تم ٹیکسی ڈرائیور کو فارغ کردو۔"

"اچھی بات ہے۔" فرزانہ نے کہا اور ٹیکسی سے اُتر آئی۔ ٹیکسی کے نظروں سے اوجھل ہونے کے بعد انہوں نے اپنی مہم شروع کی۔

"فاروق، تم صرف بائیں طرف غور سے دیکھتے ہوئے چلو گے، میں دائیں طرف۔" محمود نے کہا۔

"اور فرزانہ آسمان کی طرف، کہیں کار پرواز نہ کرگئی ہو۔" فاروق نے جل کر کہا۔

"خیر تو ہے۔ انگارے کس شوق میں چبائے جا رہے ہیں۔"

فرزانہ مسکرائی۔

"فرزانہ دونوں طرف بدستور نظر رکھے گی، فکر نہ کرو۔" محمود بولا۔

رفتار کم رکھ کر وہ آگے بڑھنے لگے، یہاں تک کہ سرحد تک پہنچ گئے۔ یہاں سے واپس مڑے اور اسی طرح دیکھتے چلے۔ آخر ایک جگہ انہیں محسوس ہوا، درختوں کے درمیان ایک کار کھڑی ہے۔

"میرا خیال ہے، وہ کار یہی ہے۔" فرزانہ بولی۔

"ہاں، ہوائی جہاز تو ہونے سے رہا۔" فاروق نے منہ بنایا۔

تینوں موٹر سائیکلیں سڑک سے نیچے چھوڑ کر اس سمت میں بڑھنے لگے۔ یہاں تک کہ انہیں کار صاف نظر آنے لگی۔

"اوہو، یہ تو ہے بھی سبز رنگ کی، اسی لیے جنگل میں آسانی سے نظر نہیں آئی۔" محمود بڑبڑایا۔

کار کے نزدیک پہنچ کر انہوں نے چاروں طرف دیکھا۔ کوئی نظر نہ آیا۔ اب انہوں نے کار کا جائزہ لیا۔ اس میں کوئی چیز موجود نہیں تھی؛ تاہم اس پر انگلیوں کے نشانات تو ہو ہی سکتے تھے۔ انہوں نے کار کا نمبر نوٹ بک میں لکھ لیا، پھر محمود نے کہا:

"ہم میں سے ایک یہاں ٹھہرے گا۔ باقی دو جا کر پولیس کو لے کر آئیں گے، تاکہ انگلیوں کے نشانات حاصل کیے جا سکیں، پھر

ہم شہر جاکر یہ بھی معلوم کریں گے کہ کار ہے کس کی؟"

"لیکن ایک کا یہاں ٹھہرنا مناسب نہیں ہوگا، کیوں نہ دو یہاں ٹھہریں اور ایک جائے۔ جانے والے کو کوئی خطرہ نہیں، جب کہ جنگل میں خطرہ پیش آسکتا ہے۔ کیا خبر سوزانی درندہ آس پاس ہی کہیں چھپا ہوا ہو۔" فرزانہ نے خطرے کا اظہار کیا۔

"ارے باپ رے، تم نے تو ڈرا ہی دیا، تب پھر میں شہر چلا جاتا ہوں۔" فاروق نے بوکھلا کر کہا۔

"توبہ ہے، تم جتنا بزدل بھی کوئی نہیں ہوگا، خیر تم بھی کیا یاد کروگے۔ جاؤ، چلے جاؤ۔" فرزانہ نے گویا حاتم طائی کی قبر پر لات ماری۔

"شش، شکریہ — اپنا خیال رکھنا — میں جاتا ہوں — تم دونوں کے پاس اس وقت کوئی ہتھیار ہے نہ کھلونے۔ ان حالات میں تمہیں اس خوفناک جگہ چھوڑ کر جانے کو دل تو نہیں چاہتا، لیکن کیا کیا جائے، مجبوری ہے — جائے بنا رہا بھی نہیں جاتا۔" فاروق نے بڑی بوڑھیوں کے انداز میں کہا۔

"اب جاتے بھی ہو یا یہیں باتیں بگھارتے رہوگے۔" محمود تلملا اٹھا۔ "اور ہاں، انکل اکرام کو بھی فون کر دینا۔"

"بہت اچھا۔" اس نے کہا اور مسکراتا ہوا سڑک کی طرف چلا گیا۔

ایک گھنٹے بعد وہ مدد لانے میں کامیاب ہوسکا — کار پر سے انگلیوں

کے نشانات اٹھائے گئے اور پھر یہ پارٹی واپس شہر کی طرف روانہ ہوئی۔

نواب خالد کریم کی کوٹھی میں داخل ہوئے تو روبی کے رونے کی آواز ان کے کانوں سے ٹکرائی۔ انہیں حیرت ہوئی کہ روبی ابھی تک رو رہی ہے؛ گویا اسے نواب خالد کریم سے بہت محبت تھی۔ اندر داخل ہوئے تو ملازم رؤف احمد سوزانی سامنے سے آتا نظر آیا۔ اس کی آنکھیں بھی آنسو برسا رہی تھیں۔

"آپ — آپ لوگ کہاں چلے گئے تھے؟"

"قاتل کے پیچھے — کیا نواب صاحب کو بچایا نہیں جا سکا؟"

"جی نواب صاحب؟" رؤف احمد کے منہ سے نکلا۔

"ہاں کیوں؟" محمود حیران ہو کر بولا۔

"آئیے میرے ساتھ، میں آپ کو لے چلوں —" اس نے کہا۔

تینوں اس کے پیچھے چلتے ہوئے ایک کمرے میں داخل ہوئے۔ ایک چارپائی کے گرد گھر کے افراد بیٹھے رو رہے تھے۔ ان میں سے صرف روبی کی آواز ابھر رہی تھی — رونے والوں میں نواب خالد کریم بھی تھے۔ یہ دیکھ کر انہیں جھٹکا لگا۔ وہ جلدی سے آگے بڑھے۔ مقتول پر اس وقت ایک شخص جھکا ہوا تھا — انہوں نے سنا، وہ کہہ رہا تھا، میرے بچے، یہ تمہیں کس کی نظر کھا گئی — اب، اب میری بیٹی زندگی کے دن کس کے

سہارے کاٹے گی۔

نزدیک ہونے پر انہوں نے دیکھا، مردہ جسم حامد کریم کا تھا۔ نواب خالد کا چھوٹا بھائی اور روبی کا شوہر —

مطلب کا چکر

"اف میرے بچے، میں کیا کروں، میری بیٹی کے تو نصیب پھوٹ گئے۔"

جھکے ہوئے شخص کے الفاظ پھر ان کے کانوں سے ٹکرائے۔ اس وقت تک نواب خالد کریم ان کی طرف متوجہ ہو چکے تھے۔ ان کی طرف قدم اٹھاتے ہوئے بولے:

"تم — تم لوگ آ گئے؟"

"جی ہاں، ہمیں افسوس ہے، ہم قاتل کو نہیں پکڑ سکے؛ البتہ جس کار کے ذریعے فرار ہوا ہے، اسے ضرور ہم تلاش کرنے میں کامیاب ہو گئے ہیں۔ بہت جلد ہمیں یہ معلوم ہو جائے گا کہ وہ کار کس کی ہے — لل، لیکن یہ ہم کیا دیکھ رہے ہیں؟" محمود نے بوکھلائے ہوئے لہجے میں کہا۔

"ہاں، یہ جو کچھ تم دیکھ رہے ہو، بہت غلط ہے۔ جو ہوا بُرا ہوا۔ مرنا تو مجھے تھا، مر گیا میرا بھائی — ہم دونوں ساتھ ساتھ کھڑے

تھے کہ اچانک فائر ہوا اور حامد تیورا کر گرا۔ درندے کا نشانہ
چوک گیا اور گولی میرے پیارے بھائی کو چاٹ گئی — اس بھائی
کو جو ایک بیوی کا شوہر بھی تھا — اگر میں مرتا تو اکیلا ہی مرتا۔
حامد تو اپنے ساتھ کئی اور لوگوں کو بھی جیتے جی مار گیا — تم
نے روبی کے والد کو دیکھا، کس طرح رو رہے تھے۔ انہیں بھی
اپنے داماد سے بہت محبت تھی، جان دیتے تھے اس پر — افسوس،
صد افسوس ۔"

"تو یہ روبی صاحبہ کے والد ہیں؟" فرزانہ نے ہمدردانہ لہجے
میں کہا —

"ہاں، ان کا نام امجد نجیب ہے — ابھی ابھی پہنچے ہیں —
یہاں سے تقریباً دس میل دور نئی آبادی میں رہتے ہیں ۔"

"ہوں، آئیے ذرا ہمارے ساتھ ۔" محمود نے کچھ سوچ کر کہا
اور پھر انہیں ساتھ لے کر کمرے سے نکل آئے۔ کمرے کی سوگوار
فضا میں ان کا دم گھٹا جا رہا تھا۔

"حالات اور واقعات کے مطابق قاتل چھت پر موجود تھا۔ کیا
گولی چھت سے چلائی گئی تھی؟"

"نہیں تو، گولی تو لان کے ایک درخت کے پیچھے سے
آئی تھی، پھر ہم سب نے اس سیاہ فام آدمی کو درخت کے پیچھے
سے نکل کر گیٹ کی طرف بھاگتے دیکھا — اس کے دائیں ہاتھ میں

پستول تھا اور اس کی نالی سے دھواں نکل رہا تھا ۔" انہوں نے کہا۔

"لیکن پھر اسے چھت پر جانے کی کیا ضرورت تھی؟" فرزانہ
حیران ہو کر بولی۔

"خدا جانے کیا چکر ہے ۔"

"جہاں تک میں سمجھتا ہوں، وہ صبح سویرے یا منہ اندھیرے
پھاٹک پھلانگ کر اندر آیا، لفافہ دروازے کے اندر پھینکا اور چھت
پر چڑھ گیا — کار اس نے پہلے ہی ایسی جگہ کھڑی کر دی، جہاں سے
فوری طور پر فرار ہو سکے؛ گویا اس وقت سے تھوڑی دیر پہلے تک
وہ چھت پر ہی رہا، تاکہ جونہی موقع ملے، وہ فائر کر دے — اس
غرض کے لیے ایک بار وہ اس کھڑکی تک بھی پہنچا، جس کے کمرے
میں..... کمرے میں......" محمود کہتے کہتے رک گیا — اس کی آنکھوں میں
الجھن نظر آنے لگی —

"کمرے میں، کے بعد کیا بات ہو گئی کہ تم آگے کچھ نہیں کہہ پا
رہے ۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"بات یہ ہے، اسے تو ہلاک کرنا تھا نواب صاحب کو، پھر
وہ حامد کریم کے کمرے کی کھڑکی سے کیوں جھانک رہا تھا؟" محمود بولا۔

"بھئی سیدھی سی بات ہے — وہ ایک ایک کمرہ دیکھتا پھر رہا
تھا، یہ جاننے کے لیے کہ نواب صاحب کا کمرہ کون سا ہے، لیکن
ہماری وجہ سے اسے بالکل تنہائی کی حالت میں نواب صاحب پر

فائر کرنے کا موقع نہ مل سکا — آخر اس نے لان کے درخت
کے پیچھے چھپنے کا پروگرام بنایا اور فائر کر کے بھاگ نکلا — ہم
اس وقت چھت کا جائزہ لینے کے لیے سیڑھیاں چڑھ رہے تھے۔"

"شاید ایسا ہی ہوا ہے۔" فاروق نے سر ہلایا۔

"لیکن سوال یہ ہے کہ اگر وہ چھت پر تھا تو اس کے لیے
یہ کس طرح ممکن تھا کہ جب چاہے چھت پر چڑھ جائے اور جب
چاہے اتر جائے۔" فرزانہ نے اعتراض کیا۔

"یہ تو ہم چھت کا جائزہ لینے کے بعد ہی جان سکتے ہیں۔" محمود
نے کہا اور پھر نواب صاحب کی طرف مڑا:

"کیوں جناب، کیا اترنے اور چڑھنے کا چھت کے علاوہ کوئی اور
بھی ذریعہ ہے؟"

"نہیں۔" انہوں نے کہا۔

"اس صورت میں ہمیں کوٹھی کا ایک چکر لگانا پڑے گا —
آپ اتنی دیر میں لکڑی کی ایک سیڑھی کا بندوبست کریں، تاکہ
چھت پر چڑھ کر زینے کا دروازہ کھولا جا سکے۔"

"فکر نہ کرو، سٹور میں سیڑھی موجود ہے — میں ابھی نکلواتا ہوں۔"

وہ چکر لگانے کے لیے نکل کھڑے ہوئے اور پھر ایک جگہ
ٹھٹک کر رک گئے — گھر کے افراد کو قتل کی وجہ سے یہ جاننے کا
ہوش ہی نہیں رہا تھا کہ مجرم اگر چھت پر موجود تھا تو پھر وہ

لان میں کس طرح پہنچ گیا — اب انہوں نے چکر لگایا تو یہ بات
سامنے آئی کہ رسی کی ایک سیڑھی منڈیر سے نیچے لٹکائی گئی
تھی — اور اس سے پہلے جب روبی نے اس سیاہ فام کو کھڑکی
میں جھانکتے دیکھا — اس وقت بھی وہ ضرور رسی کے ذریعے ہی
نیچے اترا ہوگا، لیکن روبی کی چیخ نے کھیل خراب کر دیا اور اسے
پھر اوپر چڑھ جانا پڑا — اوپر چڑھتے ہی اس نے رسی کی سیڑھی
اوپر کھینچ لی۔ اب صرف یہ دیکھنا تھا کہ وہ چھت پر پہنچا کس
طرح — انہوں نے رسی کی سیڑھی کو جوں کا توں چھوڑا اور باقی
ماندہ چکر کو پورا کرنے نکل کھڑے ہوئے — پچھلے حصے میں انہیں
ایک پائپ چھت تک جاتا نظر آیا — اب معاملہ بالکل صاف تھا۔
مجرم صبح کا اجالا پھیلنے سے پہلے کوٹھی میں داخل ہوا۔ اس نے
خط اندر سرکایا اور پھر زینے کے ذریعے چھت پر چڑھ گیا — اگر
زینے کے ذریعے اس کے لیے چڑھنا ناممکن ہوتا تو پھر وہ ضرور
اس پائپ کو استعمال کرتا۔ چھت پر وہ اس لیے چڑھا، تاکہ گھر
کے افراد کا جائزہ لے سکے اور یہ دیکھ سکے کہ کون کون سا کمرہ
کس کس کا ہے — ظاہر ہے، وہ ایک غیر ملکی تھا۔ اسے کوٹھی سے
واقفیت تو تھی نہیں — حالات کا جائزہ لیے بغیر وہ وار نہیں کر
سکتا تھا —

کچھ بھی ہو، وہ وار کر چکا تھا — یہ اور بات ہے کہ اس کا

نشانہ چوک گیا تھا، لیکن بہرحال اس گھر کا ایک فرد تو موت
کی آغوش میں چلا ہی گیا تھا اور یہ کوئی معمولی بات نہیں
تھی۔

چکر لگا کر وہ واپس آئے تو سیڑھی تیار تھی۔ اس کے ذریعے
چھت پر پہنچے اور بغور ایک ایک حصے کا جائزہ لیا۔ چھت پر
پختہ فرش تھا۔ اس پر قدموں کے نشانات صاف نظر آ رہے تھے۔
رسی کی سیڑھی بجلی کے پنکھے کے لیے لگائے گئے لوہے کے پائپ
سے باندھ کر لٹکائی گئی تھی۔ فاروق زینہ کھولنے کے لیے بڑھا تو
فرزانہ بول اٹھی:

"خبردار فاروق، تم زینے کی کنڈی کو بھی ہاتھ نہیں لگاؤ گے۔
کسی اور جگہ قاتل کی انگلیوں کے نشانات ملیں نہ ملیں، اس پر
ضرور ملیں گے۔ بشرطیکہ اس نے دستانے نہ پہن رکھے ہوں۔"

"بات تو ٹھیک ہے عقل مند صاحبہ، شکریہ۔" فاروق نے طنزیہ
لہجے میں کہا۔

"ہمیں سیڑھی کے ذریعے ہی نیچے جانا ہوگا۔ پولیس بھی اسی
لکڑی کی سیڑھی کے ذریعے ہی اوپر چڑھے گی۔ نشانات اٹھانے کے
بعد ہی کنڈی کھلے گی۔" فرزانہ نے گویا ہدایات دیں۔

"بہت بہتر انسپکٹریس صاحبہ۔" فاروق نے منہ بنایا۔

چھت پر چونکہ اور کوئی نشان وغیرہ نظر نہ آیا، اس لیے

وہ نیچے اتر آئے۔ پولیس آ چکی تھی اور اپنی کارروائی میں مصروف
تھی۔ عین اسی وقت انہوں نے سیاہ کوٹ میں ایک لمبے
قد کے آدمی کو آتے دیکھا۔

"یہ ہمارے وکیل صاحب ہیں ہمارے خاندانی وکیل۔" نواب
صاحب نے ان کے نزدیک پہنچنے سے پہلے ہی اس کے بارے
میں بتایا۔

"ان کا نام؟" محمود نے ان پر نظریں جمادیں۔

"اثر اقبال، بہت ہی اچھے قانونی مشیر ہیں۔"

نزدیک آنے پر نواب صاحب نے باقاعدہ تعارف کرایا۔

"آپ سے مل کر بڑی خوشی ہوئی۔" وکیل صاحب نے ان
سے نہایت گرمجوشی سے مصافحہ کیا۔

"خوشی تو جناب ہمیں بھی بہت ہوئی ہے، لیکن خوشی میں
قدرے حیرت کی ملاوٹ بھی ہو گئی ہے۔" فاروق مسمسی صورت بنا
کر بولا۔

"کیا مطلب؟" وکیل صاحب چونکے۔

"مطلب یہ کہ آپ کیسے پہنچ گئے۔ کیا آپ کو فون کرکے
بلایا گیا ہے؟"

"فون، لیکن کس سلسلے میں؟" وہ چونک کر بولے۔

"تو کیا آپ کو معلوم نہیں ہے کہ یہاں کیا ہو چکا ہے؟"

فرزانہ نے اس کی طرف بغور دیکھا۔

"کیا ہو چکا ہے؟" انہوں نے بوکھلا کر پوچھا۔

"بس ایک عدد قتل ہو گیا ہے۔" فاروق نے قدرے جلے بھنے لہجے میں کہا۔

"کیا کہا، قتل۔" وکیل صاحب اُچھل پڑے۔

"جی ہاں، لیکن آپ اس قدر اُچھلے کیوں۔ آپ کی زندگی میں تو آئے دن ایسا ہوتا رہتا ہوگا۔" محمود بولا۔

"ہاں، اس میں کوئی شک نہیں۔ لیکن یہ واردات میرے لیے بالکل اچانک ہے۔ چند روز پہلے ہی تو حامد کریم صاحب نے مجھے فرصت کے دن ملاقات کی دعوت دی تھی۔ آج چھٹی تھی۔ میں نے سوچا، مل آؤں، لیکن آپ تو مجھے بہت ہی خوفناک خبر سنا رہے ہیں، کون قتل ہو گیا ہے؟" انہوں نے جلدی جلدی کہا۔

"حامد کریم۔" فاروق نے فوراً کہا۔

"کیا؟" وہ پوری قوت سے چلّا اٹھا اور پھر اندر کی طرف لپکا۔

"آپ کا وکیل صاحب کے بارے میں کیا خیال ہے؟" محمود نے نواب صاحب سے پوچھا۔

"بہت اچھے اور ہمدرد انسان ہیں۔ اسی لیے ہم نے انہیں وکیل مقرر کر لیا ہے۔"

"کیا آپ کو معلوم ہے، آپ کے بھائی نے انہیں کیوں بلایا تھا؟"

"نہیں، اس نے مجھے نہیں بتایا۔ شاید روبی کو بتایا ہو۔"

"خیر، ہم ان سے بھی معلوم کر لیں گے۔"

اسی وقت اثر اقبال آتے دکھائی دیے۔

"اف خدا، یہ تو بہت دردناک حادثہ ہے۔ میری تو اندر داخل ہوتے ہی طبیعت خراب ہو گئی۔ اسی لیے فوراً باہر نکل آیا۔ خدا کی پناہ۔" اس نے تھر تھر کانپتی آواز میں کہا۔ اور وہ ڈرائنگ روم میں آ کر بیٹھ گئے۔

"کیا آپ کو معلوم ہے، حامد کریم نے آپ کو کس لیے بلایا تھا۔"

"ہاں، وہ اپنی وصیت میں کچھ تبدیلی کرانا چاہتے تھے۔"

"کیا کہا، وصیت میں تبدیلی؟" محمود نے چونک کر کہا۔ فاروق اور فرزانہ بھی بے چین نظر آنے لگے، کیوں کہ ان کے خیال میں تو یہ واقعہ بالکل ہی الگ نوعیت کا تھا اور اس میں کسی دولت یا جائیداد وغیرہ کا چکر نہیں تھا، لہٰذا تینوں کے کان کھڑے ہو گئے۔

"جی ہاں، دو سال پہلے انہوں نے وصیت نامہ لکھوایا تھا۔ یہ کام میرے ذریعے انجام پایا تھا، لیکن ایک ہفتہ پہلے انہوں نے مجھے فون کیا اور کہا کہ کسی فرصت کے دن ان سے مل لوں، اور

یہ کہ وہ اپنی وصیت میں کوئی تبدیلی کرانا چاہتے ہیں۔ یہ سن
کر مجھے بہت حیرت ہوئی تھی، کیونکہ......"

"لیکن جناب معاف کیجیے، حامد کریم صاحب اس گھر میں
بڑے نہیں تھے۔ نواب صاحب ان کے بڑے گھر میں موجود ہیں
ان کے ہوتے ہوئے انہیں وصیت کرنے کی کیا ضرورت تھی؟"

"آپ کو دراصل حالات کا علم نہیں۔ نواب صاحب اگر پسند
کریں تو انہیں سب کچھ بتا دیں۔"

"ہاں، یہ بہت ضروری ہے۔ ہمیں ان کی مدد کی بہت
ضرورت ہے۔" وہ بولے۔ اس پر انہوں نے یہ تفصیل سنائی:

"میں اور حامد کریم، ابا جان کے بس دو ہی بیٹے ہوئے۔
مرتے وقت انہوں نے اپنی کل دولت اور جائیداد کو ہم دونوں
میں برابر تقسیم کر دیا تھا، تاکہ ان کی وفات کے بعد ہم میں کوئی
جھگڑا نہ پڑے۔ انہوں نے یہ ہدایت بھی کی تھی کہ پُرسکون اور
پُرامن رہنے کے لیے اگر دونوں بھائیوں کو الگ ہونا پڑے
تو بلاجھجک الگ ہو جائیں۔ اب یہ اور بات ہے ہم دونوں
بھائیوں نے کبھی الگ ہونے کی ضرورت محسوس نہیں کی؛ تاہم
دولت اور جائیداد اسی روز سے دو حصوں میں تقسیم ہے۔" نواب
صاحب کہتے چلے گئے۔

محمود، فاروق اور فرزانہ سوچ میں گم ہوگئے۔ ایک بالکل نئی

بات ان کے سننے میں آئی تھی اور ان کے خیال میں یہ بات کافی
خوف ناک تھی۔ دوسری طرف سوزانی درندہ ان کے ذہنوں میں
الجھنیں پیدا کر رہا تھا۔

"ہم ذرا کوٹھی کا ایک چکر اور لگا آئیں۔ آپ لوگ
تشریف رکھیے۔" یہ کہہ کر محمود اٹھ کھڑا ہوا۔ تینوں لان میں آئے۔
یہاں ایک جگہ اینٹوں کا دائرہ بنا دیا گیا تھا۔ گولی کھانے کے
بعد حامد کریم اس جگہ گرے تھے۔ وہ اس دائرے کے گرد کھڑے
ہوگئے۔ اس جگہ کی گھاس کا کافی حصہ خون سے رنگین ہو چکا
تھا۔

"حامد کریم کے مرنے کے بعد ان کے حصے کی دولت
نواب صاحب کو ملے گی یا روبی کو؟" محمود کھوئے کھوئے انداز
میں بولا۔

"پتا نہیں، میں اثر اقبال وکیل نہیں، فاروق احمد ہوں"۔ فاروق
نے منہ بنایا۔

"اگر حامد کریم کی دولت نواب صاحب کو ملتی ہے، تب تو
ہو سکتا ہے کہ یہ سارا چکر، یعنی درندے والا چکر انہوں نے خود
ہی چلایا ہو، اور اگر جائیداد روبی کو ملتی ہے تو پھر یہ کام درندے
کا ہی ہو سکتا ہے۔" محمود، فاروق کی طرف توجہ دیے بغیر بولا۔

"حامد کریم ایک وصیت پہلے لکھوا چکے ہیں۔ اور ان دنوں ۔۔

پُرانی وصیت کی بجائے ایک نئی وصیت لکھوانا چاہتے تھے، آخر وہ کیا لکھوانا چاہتے تھے؟"

"پتا نہیں، اس لیے کہ میں نجومی بھی نہیں ہوں۔" فاروق بولا۔

"تم سے کون پوچھ رہا ہے۔" محمود بھنّا اٹھا۔

"اوہو اچھا، میں تو اسی خیال میں مگن تھا کہ یہ باتیں تم مجھ سے کر رہے ہو، لیکن اب محسوس ہوا، یہاں میرے علاوہ فرزانہ بھی موجود ہے اور دیواریں بھی ہیں۔ لوگ دیواروں سے بھی تو باتیں کر لیتے ہیں؛ البتہ دیواریں ذرا یہاں سے دُور دُور واقع ہوئی ہیں۔"

"بھئی، کان نہ کھاؤ۔" فرزانہ نے منہ بنایا۔

"اچھا،" اس نے سعادت مندانہ لہجے میں کہا: "بحث کرنے سے کیا یہ بہتر نہیں کہ ہم اثر اقبال سے معلوم کرلیں، حامد کریم کی وصیت کیا ہے، تاکہ اس کی روشنی میں غور وفکر کر سکیں۔"

محمود اور فرزانہ فاروق کی طرف مڑے، چند لمحے تک اسے گھورتے رہے، پھر محمود بولا:

"تم، تم ٹھیک کہتے ہو، آؤ اندر چلیں۔"

"یہی بات میں اتنی دیر سے تمہیں سمجھانے کی کوشش کر رہا تھا۔"

"کون سی بات؟" فرزانہ حیران ہو کر بولی۔

"یہ کہ میں، میں ٹھیک کہتا ہوں۔"

"دھت تیرے کی۔" محمود نے جھلا کر ران پر ہاتھ مارا۔

"لاحول ولا قوۃ۔" فرزانہ نے بھی تلملا کر کہا۔

اور پھر تینوں نے اندر جانے کے لیے قدم اٹھائے ہی تھے کہ اثر اقبال خود ہی لان کی طرف آتے نظر آئے۔

"یہ اور بھی اچھا ہوا۔" محمود خوش ہو کر بولا۔

"کیا اور بھی اچھا ہوا، حامد کریم کا قتل؟" اثر اقبال نے بوکھلا کر کہا۔

"جی نہیں، آپ کا لان کی طرف نکل آنا۔ ہم آپ کی طرف ہی آرہے تھے۔ آپ سے چند باتیں کریں گے۔"

"میں ابھی ابھی سوزانی درندے کے بارے میں سُن کر آرہا ہوں۔ آپ لوگوں کا اس بارے میں کیا خیال ہے؟" اثر اقبال نے الٹا ان سے سوال کر ڈالا۔

"پتا نہیں، ہم کچھ کہہ نہیں سکتے۔ ابھی کسی نتیجے پر نہیں پہنچے۔" فاروق نے کہا۔

"ہوں، میرا بھی یہی خیال تھا کہ آپ کسی نتیجے پر نہیں پہنچے ہوں گے۔" اس نے کہا۔

"کیا مطلب، آپ کا خیال کیونکر تھا۔" محمود نے اسے گھورا۔

"میں کہہ نہیں سکتا کہ میرا یہ خیال کیوں تھا۔" اس نے کہا۔

محمود، فاروق اور فرزانہ نے اسے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھا پھر
محمود نے اس کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا:

"آپ سے مل کر کچھ زیادہ ہی خوشی محسوس ہو رہی ہے جناب،
آپ تو ہمارے بھائی فاروق سے بھی دو ہاتھ آگے معلوم ہوتے ہیں۔"

"کیا مطلب؟" اس نے ہاتھ ملاتے ہوئے چونک کر کہا۔

"چھوڑیے مطلب کے چکر کو — کیا رکھا ہے مطلب کے چکر
میں — آپ تو بس ذرا یہ بتا دیں کہ حامد کریم کی وصیت کیا ہے؟"

"ان کی وصیت بالکل صاف اور سادہ ہے — کل دولت اور
جائیداد کا ایک حصہ بڑے بھائی یعنی نواب صاحب کو ملے گا
اور باقی کا نصف حصہ ان کی بیوی کو —"

"اور وہ اس وصیت کو تبدیل کرانا چاہتے تھے؟" محمود نے
پوچھا۔

"ہاں، فون پر انہوں نے یہی کہا تھا۔" وہ بولے۔

"کیا ان کا لہجہ فکرمند تھا؟"

"ہاں، لہجے سے بہت زیادہ پریشانی جھلک رہی تھی۔ میں نے
ان سے وعدہ کر لیا کہ بہت جلد ان سے ملوں گا — وقت اس
لیے مقرر نہ کر سکا کہ ان دنوں میں حد سے زیادہ مصروف ہوں۔"

"اس کا مطلب ہے، وہ وصیت میں کوئی زبردست تبدیلی کرنا
چاہتے تھے۔"

"ہاں۔" اثر اقبال نے کہا۔

"صرف دو ہی باتیں ہو سکتی ہیں —" فرزانہ کی سوچ میں ڈوبی
آواز سنائی دی۔

"کونسی دو باتیں؟" فاروق نے حیران ہو کر کہا۔

"یا تو وہ اپنی ساری دولت بڑے بھائی کے نام کرنا چاہتے
تھے، یا پھر اپنی بیوی کے نام، اور بس — اب اگر ان کے ارادے
کا اسے پتا چل جائے، جس سے جائیداد چھینی جا رہی ہے تو کیا وہ
حامد کریم کو ہلاک کرنے کا پروگرام نہیں بنا سکتا۔"

"کیوں نہیں بنا سکتا، اور اس کا یہ بہترین طریقہ تھا کہ سوزانی
درندے والا چکر چلا دیا جائے — کسی کرائے کے قاتل کو سوزانی
درندے کا روپ دے دیا گیا — نواب صاحب کو دھمکی بھی مل
گئی کہ درندہ آ پہنچا ہے اور پھر درندے نے آ کر نواب صاحب کو
نشانا بنایا، لیکن نشانا چوک گیا اور گولی نواب صاحب کے بجائے
حامد کریم کو لگ گئی، مطلب یہ کہ نشانا چوکا نہیں تھا، بلکہ نشانا
لیا ہی حامد کریم کا گیا تھا۔"

"یہ سب اندازے ہیں، جو بالکل غلط بھی ہو سکتے ہیں — ہو
سکتا ہے، وہ اپنے وصیت نامے میں کوئی معمولی سا ردو بدل کرانا
چاہتے ہوں۔"

"سبھی کچھ ہو سکتا ہے اثر صاحب، کیا انہوں نے اشارتاً

نہیں بتایا تھا کہ وہ کیا تبدیلی کرانا چاہتے تھے۔"

"جی نہیں۔" اس نے انکار میں سر ہلایا۔

"شاید انہوں نے اس بات کا ذکر نواب صاحب یا روبی صاحبہ سے کیا ہو، لہذا ہمیں ان سے بھی معلوم کر لینا چاہیے چاہیے۔" فرزانہ نے مشورہ دیا۔

"ٹھیک ہے، آؤ چلیں۔" محمود نے کہا، پھر اثر اقبال سے بولا:

"آپ یہیں ٹھہریں گے یا ہمارے ساتھ چلیں گے۔"

"اندر کی فضا میں میرا دم گھٹتا ہے۔ میں یہیں بیٹھوں گا۔ اگر آپ میری ضرورت محسوس کریں تو مجھے بلا لیں۔"

"شکریہ جناب۔" یہ کہہ کر وہ اندر کی طرف بڑھے۔

نواب صاحب انہیں برآمدے میں ہی ٹہلتے مل گئے۔

"کیوں جناب، کیا آپ کو یہ بات معلوم تھی کہ آپ کے بھائی اپنی وصیت میں کچھ تبدیلی کرانا چاہتے ہیں؟"

"بالکل نہیں۔" انہوں نے کہا۔

"اور یہ درست ہے کہ ان کی نصف جائیداد اب آپ کو ملے گی؟"

"جی، جی ہاں — وصیت کی رو سے۔"

"تو کیا آپ اس رقم کو وصول نہیں کریں گے؟" محمود نے

حیران ہو کر کہا۔

"کیوں نہیں کروں گا، ضرور کروں گا — مم، مجھے تو ان دنوں رقم کی ضرورت بھی بہت ہے۔"

"جی کیا مطلب، آپ کو ان دنوں رقم کی ضرورت ہے؟" فرزانہ حیران ہو کر بولی۔

"ہاں، میری فرم ان دنوں نقصان میں جا رہی ہے۔"

"اوہ۔" ان کے منہ سے نکلا۔

یہ انہیں ایک نئی بات معلوم ہوئی تھی —

نئی خبر

"معاف کیجیے گا روبی صاحبہ، ہم آپ کو زحمت دے رہے ہیں۔ کیا آپ کو معلوم تھا کہ آپ کے شوہر اپنی وصیت میں کوئی تبدیلی کرانے والے ہیں؟"

"جی — جی نہیں تو — یہ بات آپ کو کس نے بتائی؟" اس نے حیران ہو کر کہا۔ وہ اپنے کمرے کی مسہری پر اوندھے منہ پڑی سسکیاں لے رہی تھی۔

"اثر اقبال وکیل نے۔" محمود نے کہا۔

"لیکن مجھے یہ بات معلوم نہیں تھی۔"

"خیر، آپ کو یہ بات تو معلوم ہوگی کہ حامد کریم کی موت کے بعد ان کی نصف دولت آپ کو مل گئی ہے؟"

"لیکن ان کی زندگی میں میں ساری دولت کی مالک تھی۔" اس نے تلملا کر کہا۔

"ہاں، یہ تو ہے — ظاہر ہے، آپ ساری دولت کی بجائے

نصف کیوں حاصل کرنے کی کوشش کرتیں، یہی کہنا چاہتی ہیں نا آپ۔" فرزانہ نے اسے بغور دیکھا۔

"بالکل۔" اس نے فوراً کہا۔

عین اسی وقت کمرے میں رکھے فون کی گھنٹی بجی۔ روبی نے فوراً ریسیور اٹھایا اور بولی:

"ہیلو، کون صاحب — جی ڈیڈی، فرمائیے — جی، جی ہاں۔ یہ لوگ یہیں موجود ہیں۔" ان الفاظ کے ساتھ ہی اس نے ریسیور محمود کی طرف بڑھا دیا۔

"آپ کا فون ہے۔" امجد نجیب کی آواز سنائی دی۔

"شکریہ جناب۔" محمود نے کہا اور امجد نجیب نے فون کا ریسیور رکھ دیا۔

"جی فرمائیے، کون صاحب ہم سے بات کرنا چاہتے ہیں؟"

"یہ میں ہوں جناب اکرام۔"

"جناب اکرام، السلام علیکم۔"

"جناب کا لفظ میں نے اپنے لیے نہیں، آپ کے لیے بولا تھا۔" اکرام ہنسا۔

"چلیے مانے لیتا ہوں — فرمائیے، کیا خبر ہے؟"

"زینے والے کنڈے اور جنگل سے ملنے والی کار پر سے اٹھائے جانے والے نشانات ایک ہی آدمی کے ثابت ہوئے ہیں اور

مزے کی بات یہ ہے کہ اس آدمی کا ریکارڈ ہمارے پاس موجود ہے۔"

"کیا؟" وہ زور سے بولا۔

"جی ہاں، نشانات کرائے کے ایک قاتل گنگ رائے کے ثابت ہوئے ہیں، لیکن ہمیں نہیں معلوم کہ ان دنوں گنگ رائے کا ٹھکانا کہاں ہے — اس کی تلاش میں جگہ جگہ چھاپے مارے جا رہے ہیں — جونہی اس کے بارے میں کوئی اطلاع ملی، آپ لوگوں کو فون کر دوں گا۔"

"بہت بہت شکریہ۔" یہ کہہ کر محمود نے ریسیور رکھ دیا۔

"اس کا مطلب ہے، درندے والا معاملہ صرف ڈراما تھا۔" وہ بڑبڑایا۔

"کس کا مطلب ہے؟" فاروق نے حیران ہو کر کہا۔

محمود نے تفصیل سنا دی — پھر تینوں سوچ میں ڈوب گئے۔ انہیں یہ بھی خیال نہ رہا کہ وہ روبی کے کمرے میں اس کے سامنے کرسیوں پر بیٹھے ہیں۔

"آپ لوگ کیا سوچنے لگے۔"

"جی، جی کچھ نہیں — فاروق، فرزانہ آؤ، جلدی کرو۔" محمود نے پُرجوش انداز میں کہا اور کمرے سے نکل گیا — فاروق اور فرزانہ نے بھی حیرت زدہ انداز میں اس کا ساتھ دیا۔

"خیر تو ہے — یہ تمہیں جلدی کی کیا لگ گئی۔" فاروق

بولا۔

"ہم نے وہ خط نواب صاحب کو لوٹا دیا تھا اور یہ ہم سے بڑی بھول ہوئی — خط ہمیں اپنے پاس محفوظ رکھنا چاہیے تھا، کیونکہ اگر سوزانی درندے والا معاملہ صرف ایک ڈراما ہے تو پھر وہ خط بھی جعلی تھا۔ یعنی سوزانی درندے کا لکھا ہوا نہیں تھا۔ ان حالات میں ہم اس خط کی تحریر کو اس گھر کے ہر فرد کی تحریر سے ملا کر دیکھ سکتے ہیں، اس طرح قاتل ہمارے سامنے ہوگا۔"

"خیر، کوئی بات نہیں — وہ خط اب بھی نواب صاحب کے پاس ہوگا — اگر انہوں نے یہ کہا کہ وہ خط پھاڑ کر پھینک چکے ہیں، تو ان کے خلاف ہمارا شک پختہ ہو جائے گا۔"

"ہوں، یہ بات بھی ٹھیک ہے۔"

وہ نواب صاحب کی تلاش میں نکلے — رؤف احمد سوزانی نے بتایا کہ وہ اپنے کمرے میں ہیں؛ چنانچہ وہ کمرے تک پہنچے — دروازہ کھلا تھا — اور اندر سے سسکیوں کی آواز گونج رہی تھی۔

"نواب صاحب، آپ مرد ہو کر ابھی تک رو رہے ہیں اور وہ بھی اس زور سے — اسلام نے ہمیں صرف خاموشی سے آنسو بہانے کی اجازت دی ہے۔ آواز سے رونا منع ہے اور عورتوں کا بین کرنا تو بالکل ہی غلط ہے۔" محمود اندر داخل ہوتے ہوئے بولا۔

نواب صاحب چونک کر سیدھے ہو گئے — ان کی آنکھیں سُرخ

تھیں۔

"اوہ، تشریف لائیے۔ بس کیا بتاؤں، مجھے حامد سے بہت محبت تھی۔"

"یہ تو خیر ٹھیک ہے۔ اچھا وہ خط تو دکھائیے ذرا، جو آپ کو درندے نے لکھا تھا۔"

"کیوں، خط کی کیا ضرورت پیش آگئی، آپ اسے پڑھ تو چکے ہیں۔" انہوں نے حیران ہو کر کہا۔

"ایک بار پھر اس کا جائزہ لینا چاہتے ہیں۔"

"اچھی بات ہے۔" نواب صاحب نے جیب میں ہاتھ ڈالا اور خط نکال کر محمود کی طرف بڑھا دیا۔ محمود نے خط کھول کر دیکھا، وہی تھا۔ اب اس نے ان کی طرف بغور دیکھتے ہوئے کہا۔

"ہم چاہتے ہیں، گھر کے ہر فرد کی تحریر کا نمونہ ہمارے پاس ہو۔"

"کیوں، اس کا آپ کیا کریں گے۔"

"اس تحریر سے ملا کر دیکھیں گے۔" محمود نے مسکرا کر کہا۔

"یہ۔ یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟" نواب صاحب ہکلائے۔

"آپ شاید اس لیے حیران ہیں کہ یہ کام تو ہے سوزانی درندے کا، پھر ہم گھر کے افراد کی تحریر کے نمونے اس خط سے ملا کر کیوں دیکھنا چاہتے ہیں، تو اس سلسلے میں عرض ہے کہ ہم کوئی امکانی پہلو بھی نظر انداز کرنے کے عادی نہیں۔"

"پھر بھی اس سے آپ کا کیا مطلب ہے۔ کیا آپ کا خیال یہ ہے کہ یہ کام گھر کے کسی فرد کا ہے، جب کہ ہم سب نے قاتل کو فرار ہوتے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔" نواب صاحب کی حیرت کا کیا پوچھنا۔

"جی ہاں، اس میں کوئی شک نہیں، لیکن مشکل یہ ہے کہ جس شخص کو بھاگتے دیکھا گیا، اس کی انگلیوں کے نشانات زینے والے کنڈے پر اور اس کار پر پائے گئے ہیں جو اس نے استعمال کی تھی۔ انگلیوں کے یہ نشانات پولیس ریکارڈ میں موجود نشانات میں سے ایک شخص کے نشانات سے مل گئے ہیں۔ ان حالات کی روشنی میں یہ بات صاف طور پر کہی جا سکتی ہے کہ حملہ آور سوزانی درندہ نہیں، کرائے کا ایک قاتل ہے اور اس کا نام لنگ ورائے ہے۔"

"اُف، یہ میں کیا سُن رہا ہوں۔"

"لہٰذا یہ ضروری ہے کہ گھر کے سب افراد کی تحریر کا نمونہ حاصل کیا جائے اور اس خط کی تحریر سے ملا کر دیکھا جائے۔"

"ٹھ۔ٹھ، ٹھیک ہے۔ میں ایک کاغذ پر ان سب سے کچھ لکھوا دیتا ہوں۔" انہوں نے کہا۔

"اور آپ خود بھی لکھیں گے۔"

"کک، کیا مطلب۔ کیا آپ مجھ پر بھی شک کر رہے ہیں۔"

یعنی اپنے قتل کا پروگرام میں خود بناؤں گا۔" نواب صاحب نے بوکھلا کر کہا۔

"اپنے قتل کا نہیں، اپنے بھائی کے قتل کا۔ آپ کو ان دنوں اپنی فرم کے لیے سرمائے کی بہت ضرورت ہے اور بھائی کی دولت حاصل کرنے کے لیے آپ یہ کام کر سکتے تھے۔"

"یہ — یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟" وہ بوکھلا اٹھے: "میں تو جب چاہتا، حامد سے رقم لے کر کاروبار میں لگا سکتا تھا، مگر میں نے یہ پسند نہیں کیا کہ چھوٹے بھائی کے آگے ہاتھ پھیلاؤں اور چھوٹے بھائی کو اس بات کی ہوا تک نہیں لگنے دی کہ میں ان دنوں زبردست نقصان میں جا رہا ہوں۔"

"ہوں خیر، آپ پُرسکون رہیے اور ہمیں تحریر کے نمونے لا دیجیے۔"

"اچھی بات ہے۔ چند منٹ میں میں یہ کام کر کے لے آتا ہوں۔" انہوں نے کہا اور چلے گئے۔

"کیس الجھ گیا ہے۔"

"یہ کیسوں کی پرانی عادت ہے۔ بس سوچے سمجھے بغیر الجھ جاتے ہیں۔ خاص طور پر وہ کیس جو ہمارے ذمے لگ جاتے ہیں۔" فاروق نے جل بھن کر کہا۔

"ابا جان کسی بھی وقت کیس میں شامل ہو سکتے ہیں۔ جونہی

وہ لائبریری سے باہر نکلے۔ ہمارے بارے میں معلوم کریں گے اور ادھر کے لیے روانہ ہو جائیں گے۔"

"کیوں نہ ہم فون کر کے امی جان سے صورتِ حال معلوم کر لیں۔" فرزانہ بولی۔

"یہ اور اچھی بات ہے۔" محمود نے کہا اور تینوں فون کے پاس پہنچے۔ محمود نے گھر کے نمبر ڈائل کیے۔

"ہیلو امی جان، ابا جان کے بارے میں کیا رپورٹ ہے؟"

"ابھی ان کے لائبریری سے نکلنے کے کوئی آثار نہیں۔" انہوں نے کہا۔

"شکریہ امی جان، بس یہی معلوم کرنا تھا۔" یہ کہہ کر اس نے ریسیور رکھ دیا۔ تھوڑی دیر بعد نواب صاحب آتے دکھائی دیے۔ ان کے ہاتھ میں ایک بڑا سا کاغذ لہرا رہا تھا۔

"لیجیے جناب، گھر کے ہر فرد کی تحریر کا نمونہ اس کاغذ پر موجود ہے اور ہر تحریر کے ساتھ تحریر والے کا نام بھی تحریر ہے۔"

"شکریہ جناب۔" محمود نے کہا اور کاغذ لے کر اس پر لکھے ہوئے نام پڑھے، پھر کچھ سوچ کر بولا:

"اس پر آپ نے روبی کے والد امجد نجیب کی تحریر تو لکھوائی ہی نہیں۔"

"لیکن وہ ہمارے گھر کے فرد کہاں ہیں۔ آپ نے تو صرف

گھر کے افراد کے لیے کہا تھا۔" نواب صاحب نے بُرا سا منہ بنایا۔

"دیکھیے جناب، ہم آپ کی درخواست پر یہاں آئے ہیں۔ اگر اب آپ کو ہماری موجودگی پسند نہیں تو ہم چلے جاتے ہیں۔ پولیس خود ہی تفتیش کرتی رہے گی۔"

"اوہ — نن، نہیں — نہیں تو — یہ آپ نے کس بات سے اندازہ لگایا؟"

"آپ کے منہ بنانے سے۔" اس نے کہا۔

"دراصل میں کچھ جھلایا ہوا ہوں — جوان بھائی کی موت تو پاگل بنا دیتی ہے، اس لیے مجھے معاف کر دیں۔"

"ارے ارے، یہ کیا — آپ کو معافی مانگنے کی ضرورت نہیں۔ آپ تو بڑے ہیں — خیر تو پھر مہربانی فرما کر....." محمود کے الفاظ درمیان میں ہی رہ گئے۔ اسی وقت روبی اپنے والد کے ساتھ برآمدے سے گزری تھی۔ وہ ان سے باتیں کر رہی تھی۔

"امجد صاحب، ذرا سنیے گا۔"

دونوں چونک اٹھے — اور کمرے میں داخل ہو گئے۔

"اس کاغذ پر اپنی تحریر کا نمونہ دے دیں۔"

"کک، کیا مطلب؟" امجد نجیب نے حیران ہو کر کہا۔

"انہوں نے ہر ایک کی تحریر کے نمونے حاصل کیے ہیں،" قاتل کی انگلیوں کے نشانات سے انہیں ملا کر دیکھیں گے۔"

"لیکن میرا ان نشانات سے بھلا کیا تعلق؟"

"ہم ہر متعلقہ آدمی کی تحریر کو مجرم کی تحریر سے ملا کر دیکھنا چاہتے ہیں جناب۔" فرزانہ جلدی سے بولی۔

"لیکن میں متعلقہ آدمی بھی تو نہیں ہوں — بس روبی کا باپ ضرور ہوں۔"

"اور اس طرح آپ بھی متعلقہ آدمی بن جاتے ہیں، لہٰذا نمونہ دے دیں۔" فاروق مسکرایا۔

"بہت اچھا، اگر آپ یہی چاہتے ہیں تو یہی سہی۔" انہوں نے کہا اور کاغذ کے نچلے حصے میں چند جملے لکھ کر کاغذ محمود کے حوالے کر دیا۔

"شکریہ جناب، اب آپ جا سکتے ہیں۔"

"کیا سوزانی درندے کا کچھ پتا چلا؟" امجد نے پوچھا۔

"جی ابھی تک نہیں — اس کی تلاش میں چھاپے مارے جا رہے ہیں۔"

روبی اور امجد اٹھ کر چلے گئے — محمود نے ابھی کاغذ میز پر پھیلایا نہیں تھا کہ فون کی گھنٹی بج اٹھی۔

"ہیلو، اکرام بول رہا ہوں — جنگل سے ملنے والی کار کے بارے میں ابھی تک کچھ معلوم نہیں ہو سکا — کار کے نمبر جعلی ہیں۔ ان دنوں شہر سے کوئی کار بھی چوری نہیں ہوئی؛ تاہم تفتیش جاری ہے اور

یہ معلوم کرنے کی برابر کوشش کی جا رہی ہے کہ کار کس کی ہے۔
صبح کے اخبارات میں ایک اشتہار بھی دیا جا رہا ہے۔"

"شکریہ انکل، اور کوئی نئی خبر؟"

"اور نئی خبر یہ کہ ابھی ابھی ایک ہوٹل کے ہال میں کنگ
رائے کو دیکھا گیا ہے۔ جس سادہ لباس والے نے اسے دیکھا، فوراً
مجھے فون کیا۔ وہ اب اس ہوٹل کے باہر موجود ہے۔ میں کچھ ساتھی
لے کر اس کی گرفتاری کے لیے نکل رہا ہوں۔"

"اوہ، ہوٹل کا نام کیا ہے؟"

"آبان ہوٹل۔"

"بہت خوب، جونہی آپ انہیں گرفتار کرنے میں کامیاب ہوں،
ہمیں فون کر دیں۔ ذرا ہم بھی اس سے ملاقات اور دو دو باتیں کرنا
چاہتے ہیں۔"

"فکر نہ کریں۔" اکرام نے کہا اور ریسیور رکھ دیا۔ محمود ریسیور
رکھتے ہوئے بولا:

"لو بھئی، کرائے کے قاتل عرف کنگ رائے، بلکہ عرف سوزانی
درندہ کو ہوٹل آبان میں دیکھا گیا ہے۔ انکل اکرام اس کی گرفتاری
کے لیے روانہ ہو رہے ہیں۔"

"اوہ۔" فاروق اور فرزانہ اچھل پڑے۔

"لگ، کہیں وہ نکل بھاگنے میں کامیاب نہ ہو جائے۔ آؤ ہم

ہم بھی چلیں۔" فرزانہ بول اٹھی۔

"میرے خیال میں تو اس کا نکل بھاگنا بہت مشکل ہے۔"
فاروق نے کہا۔

"کچھ بھی مشکل نہیں۔ ہمیں بھی چلنا چاہیے۔ ان تحریروں
کو آ کر دیکھیں گے۔"

اور تینوں موٹر سائیکلوں پر بیٹھ کر ہوٹل آبان کی طرف نکل
کھڑے ہوئے۔

آخری مکان

ہوٹل کے نزدیک پہنچتے ہی انہوں نے گولیوں کی تڑا تڑ سنی۔ ان کے کان کھڑے ہو گئے۔ سوالیہ نظروں سے ایک دوسرے کی طرف دیکھا، پھر بولے:

"معلوم ہوتا ہے، انکل اکرام اور کنگ رائے میں ٹھن گئی ہے۔"

"اور انکل اکرام اپنے ساتھ زیادہ آدمی لے کر نہیں آئے ہوں گے۔ لہٰذا ہو سکتا ہے، کنگ رائے موقعے سے فائدہ اٹھا کر ہوٹل کے پچھلی طرف سے بھاگ نکلنے کی کوشش کرے۔ آؤ، ہم بھی اس طرف چلیں۔" فرزانہ نے پُرخیال لہجے میں کہا۔

"اب چونکہ اس نے یہ خطرہ ظاہر کر دیا ہے، لہٰذا مجھے سو فیصد امید ہے کہ ایسا ہی ہوگا۔" فاروق نے بھنا کر کہا۔

"کیوں، کیا فرزانہ نجومی بھی ہے؟" محمود نے حیران ہو کر کہا۔

پولیس نے ہوٹل کے سامنے لاٹھیوں کے ذریعے ایک لائن سی کھینچ دی تھی۔ لوگوں کا اس سے آگے جانا خطرناک تھا۔ ہوٹل

کے سامنے تل دھرنے کی جگہ نہیں تھی۔ لاٹھیوں کی حدود سے آگے بڑھے تو ایک سب انسپکٹر نے انہیں روک لیا۔

"آپ آگے نہیں جا سکتے۔"

"جب کہ ہمارا خیال ہے کہ ہم آگے جا سکتے ہیں اور آپ ہمیں روک نہیں سکتے۔" فاروق نے کہا۔

"وہ کیسے؟" سب انسپکٹر نے حیران ہو کر کہا۔

"انکل اکرام اس مہم کے انچارج ہیں۔ آپ انہیں پیغام دے دیں کہ محمود، فاروق اور فرزانہ آئے ہیں۔"

"کون؟" اس نے حیران ہو کر کہا۔

"محمود، فاروق اور فرزانہ۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"لگ، کیا آپ انسپکٹر جمشید کے بچے ہیں؟" وہ ہکلایا۔

"ہاں، اب کیا خیال ہے، ہم اندر جا سکتے ہیں یا نہیں؟"

"ٹھیک ہے، آپ ضرور جائیے، مجھے کوئی اعتراض نہیں۔" اس نے مسکرا کر کہا: "لیکن آگے ہے خطرہ۔"

"پروا نہیں، خطرات کے بغیر بھی زندگی کوئی زندگی ہے۔" فاروق نے کندھے اچکائے۔

تینوں آگے بڑھے۔ ایک جگہ انہیں اکرام اپنے دو ساتھیوں کے ساتھ مورچہ سنبھالے نظر آیا۔ یہ دیکھ کر فرزانہ نے کہا:

"ہیلو انکل اکرام، کیسے کس حال میں ہیں؟"

"جنگ بہت زور شور سے جاری ہے، آپ لوگ یہاں سے ہٹ جائیں۔ یہاں آپ غیر محفوظ ہیں، بلکہ میرا مشورہ مانیں تو ہوٹل کے پچھلے حصے میں چلے جائیں۔ اس طرف ہمارا کوئی آدمی نہیں ہے۔ جب کہ دشمن اسی خیال میں ہے کہ ہم نے ہوٹل کو چاروں طرف سے گھیر رکھا ہے۔" اس نے جلدی جلدی کہا۔

"لیکن انکل یہ جنگ کیسے شروع ہو گئی؟" فرزانہ نے حیران ہو کر کہا۔

"کنگ رائے کو نگرانی کرنے والے پر شک ہو گیا تھا۔ وہ اُٹھ کر اوپر چلا گیا، پھر جوں ہی ہم نے ہوٹل کو گھیرے میں لینا شروع کیا، اس نے اوپر سے فائرنگ شروع کر دی۔ شاید اس کا دماغ چل گیا ہے، کیونکہ ہال سے اٹھ کر اگر وہ پچھلے دروازے سے نکل گیا ہوتا تو اس وقت شاید کہیں کا کہیں پہنچ جاتا۔"

"ہوں، تو پھر ہم پچھلے حصے میں چلتے ہیں۔"

"ہاں، یہ بہت ضروری ہے۔ میں نے اور کمک کے لیے فون کر دیا ہے، بہت جلد پہنچ جائے گی۔"

تینوں پیچھے ہٹ آئے اور موٹر سائیکلیں لے کر پچھلے حصے کی طرف آئے — عین اسی وقت انھوں نے ایک شخص کو دوڑ کر باہر آتے اور پھر ایک کار میں بیٹھتے دیکھا — اس کے ہاتھ میں پستول تھا اور چہرے پر گھبراہٹ کے آثار —

"ہو نہ ہو، یہ کنگ رائے ہے۔" فرزانہ بول اٹھی۔

"ایک تو تمہارے ہر جملے میں ہو نہ ہو ٹپک پڑتا ہے۔ اگر یہ کنگ رائے ہے تو آؤ اور تاؤ دیکھنے کی کیا ضرورت ہے، آؤ۔" فاروق نے جلدی سے کہا اور موٹر سائیکل کار کے پیچھے ڈال دی۔ محمود نے بھی اس کا ساتھ دیا — کار پوری رفتار پر جا رہی تھی اور انہیں اس کا تعاقب کرنے میں کافی دقت محسوس ہو رہی تھی۔ اس وقت سڑکیں بھی بھری پڑی تھیں۔

"میرا دل کہہ رہا ہے، یہ کنگ رائے ہے۔" فرزانہ بڑبڑائی۔ وہ محمود کے پیچھے بیٹھی تھی۔

"اور میرا دل کہہ رہا ہے، کنگ رائے نے ہمیں اپنے تعاقب میں محسوس کر لیا ہے۔" محمود نے کہا۔

"فاروق، تم کیوں چپ ہو، کیا تمہارا دل کچھ نہیں کہہ رہا؟"

"میرا دل کہہ رہا ہے، تم دونوں عقل سے بالکل پیدل ہو۔ اگرچہ اس وقت موٹر سائیکل پر سوار ہو۔" فاروق نے بھنا کر کہا۔

"موٹر سائیکل پر بیٹھے ہو، پھر بھی انگارے چبا رہے ہو۔"

"میں نے آج تک کہیں بھی یہ لکھا ہوا نہیں دیکھا، موٹر سائیکل پر بیٹھ کر انگارے چبانا منع ہے۔" فاروق گنگنایا۔

"دھت تیرے کی۔" محمود نے جھلا کر ران پر ہاتھ مارا۔ ایسا کرنے کے لیے اسے ہینڈل پر سے ہاتھ اٹھانا پڑا — موٹر سائیکل

لہرا کر رہ گئی۔

"اُف توبہ، تم نے تو مجھے ڈرا دیا۔ بھئی مجھ سے درخواست کر سکتے تھے۔" فرزانہ نے بُرا سا منہ بنایا۔

"کیسی درخواست؟" محمود کے منہ سے نکلا۔

"یہ کہ بھئی فرزانہ، میں دھت تیرے کی کہہ رہا ہوں، ذرا میری ران پر ہاتھ مار دینا۔"

"بہت خوب، اچھی ترکیب ہے۔ محمود، تمہارا جب جی چاہے، اس قسم کی درخواست مجھ سے کر سکتے ہو۔"

"اوہو، بڑے فراخ دل ہو رہے ہو۔" محمود طنزیہ لہجے میں بولا۔

"زندگی میں پہلی مرتبہ فاروق نے میری کسی ترکیب کی اس قدر زور دار تائید کی ہے۔" فرزانہ شوخ انداز میں مسکرائی۔

اچانک کار ایک سڑک پر مڑ گئی — وہ بھی اسی سمت میں مڑ گئے اور پھر انہوں نے کار کو رکتے دیکھا — وہ ہوشیار ہو گئے، لیکن جب وہ کار کے نزدیک پہنچے — کنگ رائے غائب ہو چکا تھا — کار جس جگہ کھڑی تھی — اس کے ساتھ ہی ایک کم کشادہ گلی مڑ رہی تھی۔ انہوں نے دیکھا، گلی بھی دُور دُور تک سنسان تھی۔

"کنگ رائے ضرور اس گلی میں گیا ہے۔" فرزانہ نے کہا۔

"ٹھیک ہے، لیکن اب ہم یہ کس طرح جان سکتے ہیں کہ وہ

کونسے گھر میں داخل ہوا ہے۔" محمود جھلائے ہوئے لہجے میں بولا۔

"اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ کار چوری کی ہو اور وہ اندر ہی اندر کہیں دُور نکل جائے۔ آخر وہ جو یہاں آیا ہے تو کچھ سوچ کر ہی آیا ہو گا۔"

"میں کب کہہ رہا ہوں کہ بغیر سوچے سمجھے اس گلی میں داخل ہوا ہے۔" فاروق نے کہا۔

"تب ہمیں جو کچھ کرنا ہے — جلد از جلد کر ڈالنا چاہیے۔ یہاں کھڑے رہ کر باتیں بگھارنے سے تو بس کام ہی خراب ہو سکتا ہے۔"

تینوں گلی میں داخل ہوئے اور آخر تک تیز تیز قدم اٹھاتے چلے گئے۔ گلی آگے جا کر بند ہو جاتی تھی۔ لیکن اس کا آخری مکان گرا پڑا تھا۔ ملبے کا ڈھیر بن چکا تھا۔ ملبے کے اس ڈھیر کے اندر انہیں ایک کمرے میں روشنی دکھائی دی۔ وہ حیران رہ گئے۔ مکان کا بس وہی ایک کمرہ محفوظ رہا تھا۔ باقی حصے کا کچھ نہیں بچا تھا۔

اچانک ان کے کانوں میں دھما چوکڑی کی آواز آئی — وہ بوکھلا کر آگے بڑھے۔

(۰)

کنگ رائے کار سے اترتے ہی گلی میں داخل ہو گیا اور بے تحاشا

دوڑتے ہوئے اس ملبہ نما مکان تک پہنچا۔ رکے بغیر وہ ملبے کے اندر داخل ہوگیا اور اس محفوظ کمرے تک جا پہنچا۔ اس کا دروازہ بھی قابلِ استعمال رہ گیا تھا۔ دروازہ دھکیل کر وہ اندر داخل ہوا، اور اندر سے چٹخنی لگادی، پھر کمرے کا قالین الٹ دیا۔ فرش کے بیچوں بیچ ایک تہہ خانے کا دروازہ تھا۔ ابھی وہ اسے اٹھانے کے لیے جھکا ہی تھا کہ پیچھے سے آنے والی ایک آواز نے اسے اچھل پڑنے پر مجبور کر دیا۔

"ہاتھ اوپر اٹھادو کنگ رائے۔"

وہ بوکھلا کر مڑا اور پھر خوف زدہ انداز میں اس کے منہ سے نکلا۔

"تم۔ مسٹر جالوم تم۔ تم ابھی زندہ ہو۔"

"میں اپنی عقلمندی کی وجہ سے زندہ ہوں۔ موفلی عرف کنگ رائے، میں تم جیسوں کو منصوبے بنا کر دینے کا ماسٹر ہوں، پھر یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ تم جیسوں کے ہاتھوں مارا جاؤں۔ بریف کیس یہاں چھوڑنے کے بعد تم چائے پینے کے لیے ٹھہرنے پر کسی طرح بھی تیار نہیں ہوئے تھے؛ حالانکہ اس سے پہلے تم کبھی چائے کے بغیر نہیں گئے تھے۔ وجہ یہ تھی کہ اس سے پہلے تم نے مجھ سے صرف ڈاکوں اور چوریوں کے منصوبے بنوائے تھے، لیکن اس بار تم نے منصوبہ بنوایا تھا ایک قتل کا۔ لہذا تم میری طرف سے فکرمند تھے

کہ کہیں میں پولیس کو اطلاع نہ کر دوں؛ حالانکہ تمہارا ڈر بے بنیاد تھا۔ منصوبہ بنا کر دینے والا تو پولیس کے سائے سے بھی بھاگتا ہے؛ بہر حال میں تمہاری طرف سے پہلے ہی خبردار تھا۔ میں نے سوچ لیا تھا، تمہارے لائے ہوئے بریف کیس کو چند دن تک ہاتھ بھی نہیں لگاؤں گا، بلکہ بریف کیس کو جوں کا توں چھوڑ کر میں مکان سے نکل گیا تھا۔ اس کے فوراً بعد ہی دھماکا ہوا اور سب کچھ نیچے آ رہا، بس یہ کمرہ بچ گیا، جس کے نیچے تہہ خانہ ہے۔ تم جیسوں کو چھپانے کے لیے بنایا گیا تہہ خانہ۔ اس تہہ خانے میں چھپنے کے لیے تم اس وقت یہاں آئے تھے۔ شاید تم کسی وقت واپس آکر یہ دیکھ گئے تھے کہ میں زندہ تو نہیں بچ گیا۔ تم سے بات چیت اس کمرے میں نہیں ہوئی تھی، بریف کیس بھی اس کمرے میں نہیں تھا، لہذا تم یہی سمجھے کہ میں مارا گیا ہوں۔ اور تم کیا، سب یہی سمجھے ہیں۔ محلے والوں نے پولیس کو اطلاع دی تھی۔ انہوں نے میرے بارے میں اسے بتایا تھا کہ یہاں ایک پاگل قسم کا بوڑھا رہتا تھا جو دب گیا۔ پولیس نے بھی ملبے کو ہٹوانے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ تھوڑی سی کارروائی ضرور کی تھی، دکھاوے کے لیے۔ چند آدمیوں نے کچھ ملبہ ہٹایا تھا، لیکن انہیں بھلا میری لاش کیا ملتی۔ میں تو ہلکے سے میک اپ میں تماشائیوں کے درمیان کھڑا مسکرا رہا تھا اور اب میں تمہارے سامنے کھڑا مسکرا رہا ہوں۔

کیا تمہارے پیچھے پولیس ہے؟"

"ہاں" کنگ رائے نے کہا۔

"ہوں، اسی لیے تہہ خانے کا رخ کیا جا رہا تھا — اور سنو کنگ رائے، تم میرے پاس میک اپ میں آئے تھے۔ میں نے یہ بھانپ لیا تھا کہ موفلی کے میک اپ کے پیچھے کنگ رائے کا ہی چہرہ ہے۔ اسی لیے میں اور بھی ہوشیار تھا — تم نے مجھے قتل کرنے کی کوشش کی — اب بتاؤ، میں تمہارے ساتھ کیا سلوک کروں۔ مشکل یہ ہے کہ میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑ سکتا — اگر تمہیں زندہ چھوڑتا ہوں تو پولیس مجھے نہیں چھوڑے گی۔" ماسٹر جالوم نے کہا۔

"نن، نہیں نہیں ماسٹر جالوم، مجھے معاف کردو، مجھے معاف کردو — دیکھو، میں تمہارے آگے ہاتھ جوڑتا ہوں۔"

یہ کہتے ہوئے کنگ رائے اس کی طرف کئی قدم بڑھ آیا، اور پھر پستول پر ہاتھ ڈالنے کی کوشش کی، لیکن ماسٹر جالوم بھی بے خبر نہیں تھا، اچھل کر پیچھے ہٹ آیا، پھر اس سے پہلے کہ وہ کنگ رائے پر فائر جھونک مارتا، کنگ رائے نے تیزی سے جھک کر ایک کرسی اس پر اچھال دی جو جالوم کی بجائے بند دروازے سے پوری طاقت سے ٹکرائی، ساتھ ہی اس نے لوٹ لگا دی اور

لڑھکتا ہوا جالوم کی طرف گیا — جالوم اچھل کر پیچھے ہٹا، لیکن اس کے پاؤں الٹے ہوئے قالین میں الجھ گئے — کمر کے بل دھڑام سے گرا — بس پھر کیا تھا، کنگ رائے نے اس پر چھلانگ لگا دی، لیکن اس کا برا وقت آگیا تھا۔ اسی وقت ماسٹر جالوم کے پستول کا رخ اس کی طرف ہو گیا اور چھلانگ کی جھونک میں آتے ہوئے گولی اس کے سینے میں لگی —

"خدا حافظ کنگ رائے، میں تہہ خانے کا رخ کرتا ہوں۔ ساری عمر کی دولت لے کر ابھی مجھے اس ملک سے بھی فرار ہونا ہے — میں تو بس تم سے انتقام لینے کے لیے رکا ہوا تھا۔ ابھی انتقام کا منصوبہ بنا کر فارغ ہی ہوا تھا کہ تم آگئے اور مجھے منصوبے کے بغیر ہی تمہارا کام تمام کرنا پڑا — یہ پہلا کام ہے جو میں نے منصوبے کے بغیر کیا ہے۔"

اس نے نظر بھر کر کنگ رائے کو دیکھا، وہ دم توڑ چکا تھا۔ گولی اس کے عین دل پر لگی تھی — اس نے جلدی سے کنگ رائے کے ہاتھ میں پستول تھما دیا اور خود تہہ خانے کا دروازہ اٹھا کر نیچے اتر گیا —

تہہ خانے کا بلب جلا کر جب وہ سیڑھیوں سے نیچے اور دولت کے اس ڈھیر کی طرف بڑھا تو اس کی آنکھیں

کیانسے پھٹی کی پھٹی رہ گئیں — جسم بالکل ساکت ہو گیا۔ ایک سیاہ سانپ پھن اٹھائے اس کی دولت پر سر دھن رہا تھا —

ذرا ٹھہریئے

"بھئی یہ کیا — اندر تو شاید جنگ چھڑ گئی ہے۔" محمود نے حیران ہو کر کہا —

"ہمیں دوسروں کی لڑائی میں ٹانگ اڑانے کی ضرورت نہیں، جب وہ لڑ لڑ کر تھک جائیں گے تو ہم اندر داخل ہوں گے۔" فاروق بولا۔

"اپنی بزدلانہ ترکیبیں اور تجویزیں اپنے پاس رکھو، آؤ محمود، کہیں کام خراب نہ ہو جائے۔" فرزانہ نے جل بھن کر کہا۔

"مجھے تو یہاں دُور دُور تک کام بے چارہ نظر ہی نہیں آ رہا، اس کے خراب ہونے اور سنورنے کی بات تو بعد کی ہے۔" فاروق مسکرایا —

"ہمیں کنگ رائے کو زندہ گرفتار کرنا ہے، تاکہ اس سے معلوم کر سکیں کہ اس نے حامد کریم کو کس کی ہدایت پر موت کے گھاٹ اتارا ہے، یا پھر کیا وہ نواب خالد کریم کو ہلاک کرنا چاہتا تھا۔"

"اگر یہ بات ہے تو آؤ" محمود نے کہا اور آگے بڑھا۔ ابھی وہ ملبہ کے ڈھیر پر سے گزر کر اس کمرے کے دروازے تک پہنچے ہی تھے کہ ایک فائر کی آواز نے انہیں چونکا دیا۔ انہوں نے دروازے پر دباؤ ڈالا' لیکن دروازہ تو اندر سے بند تھا۔ ساتھ ہی چیخ کی آواز گونجی۔

"فاروق جلدی کرو' پولیس کو فون کر آؤ۔ اتنی دیر میں میں اور فرزانہ دروازہ توڑنے کی کوشش کرتے ہیں" محمود نے گھبرا کر کہا۔

"تم تو توڑ چکے دروازہ۔ مجھے ساتھ ملا کر کوشش کرتے تو بات بھی تھی" فاروق نے منہ بنایا اور تیز تیز قدم اٹھاتا چلا گیا۔ پانچ منٹ بعد اس کی واپسی ہوئی۔

"پولیس کے ساتھ میں نے انکل اکرام کو بھی فون کر دیا ہے۔ وہ لوگ پہنچنے ہی والے ہیں۔ تم بتاؤ' تم کہاں تک پہنچے؟"

"تمہارا ہی خیال درست نکلا۔ میں اور فرزانہ دروازہ نہیں توڑ سکے۔ یہ بہت پرانا اور مضبوط ہے" محمود مسکرایا۔

"چلو خیر' اب ہم دروازہ توڑنے کے چکر میں اپنے کندھے کیوں توڑیں' پولیس آ کر خود ہی توڑتی رہے گی"

"کیا توڑنا توڑنا لگا رکھی ہے" فرزانہ جھنجھلا اٹھی۔

"تمہیں تو بس جلنے کے لیے بہانا چاہیے" فاروق نے منہ بنایا۔

"اب یہاں لڑنا نہ شروع کر دینا۔ لڑائی کا انجام دیکھ ہی چکے ہو' ایک فائر ہو چکا ہے۔ ایک آدمی کی ہولناک چیخ ہم سن چکے ہیں' جس کا مطلب ہے' دو میں سے کم از کم ایک مر گیا ہے۔ اب ہم صرف دوسرے کو گرفتار کر سکتے ہیں"

"لیکن سوال یہ ہے کہ دوسرا کون ہے؟" فرزانہ نے کہا۔

"کنگ رائے کا کوئی ساتھی۔ تم اتنا اندازہ بھی نہیں لگا سکیں" فاروق نے اسے گھورا۔

"اگر وہ اس کا ساتھی تھا تو ان کے درمیان لڑائی کیوں ہوئی"

"پتا نہیں' پوچھ کر بتاؤں گا" فاروق نے کہا۔

آخر اکرام وہاں پہنچ گیا۔ پولیس کا ابھی دور دور تک پتا نہیں تھا۔ اکرام کے آدمیوں نے دروازے پر زور آزمائی شروع کر دی۔ وہ عین اس وقت ٹوٹا جب پولیس بھی وہاں پہنچ گئی۔ فاروق سے رہا نہ گیا' بول اٹھا:

"واہ' کتنے موقعے پر آئے ہیں' یعنی ہینگ لگے نہ پھٹکری رنگ چوکھا آئے"

محمود اور فرزانہ مسکرا کر رہ گئے۔ اکرام نے بلند آواز میں کہا۔

"خبردار' مکان کو چاروں طرف سے گھیر لیا گیا ہے' تم ہاتھ اوپر اٹھا کر باہر نکل آؤ۔ اسی میں تمہاری بہتری ہے۔ دوسری صورت میں ہم فائرنگ کرتے اندر داخل ہوں گے"

اکرام کی بات کا جواب کون دیتا۔ آخر انہیں دیوار کے ساتھ لگ کر اندر داخل ہونا پڑا، ایک دو ہوائی فائر بھی کیے گئے۔ اندر داخل ہوتے ہی کنگ رائے کی لاش سے ملاقات ہوئی۔ پستول اس کے دائیں ہاتھ میں تھا۔

"ارے، یہاں تو کوئی بھی نہیں ہے۔ تو کیا اس نے خودکشی کی ہے۔" فاروق کے منہ سے نکلا۔

"دماغ تو نہیں چل گیا۔ ہم دھماچوکڑی کی آوازیں سن چکے ہیں اور خودکشی سے پہلے دھماچوکڑی مچانے کی ضرورت نہیں ہوتی۔" فرزانہ نے اسے کھا جانے والی نظروں سے دیکھا۔

"بالکل۔ وہ دیکھو، تہہ خانے کا دروازہ۔ گویا قاتل تہہ خانے میں ہے۔" محمود نے چونک کر کہا۔

"لاحول ولا قوۃ۔ اب پھر قاتل کو وارننگ دو۔" فاروق نے منہ بنایا۔

احتیاط کے ساتھ تہہ خانے کا دروازہ اوپر اٹھایا گیا اور پھر پہلے کی طرح وارننگ دی گئی، لیکن جب کوئی جواب نہ ملا تو دھوئیں کا ایک بم اندر مارا گیا۔ آدھ گھنٹے تک انہیں انتظار کرنا پڑا، پھر وہ اندر داخل ہوئے۔ اندر دھوئیں کے اثرات ابھی تک موجود تھے۔ ان کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ آنسو بہاتی آنکھوں سے انہوں نے یہ حیرت انگیز منظر دیکھا کہ دولت کے ڈھیر پر ایک بوڑھا آدمی

مُردہ پڑا تھا، اس کے منہ سے جھاگ ابھی تک بہہ رہا تھا۔ قریب ہی ایک سانپ پڑا تھا۔

"شاید اسے سانپ نے ڈس لیا۔ اچھا ہی ہوا، ہم نے پہلے دھوئیں کا بم مار دیا، ورنہ یہ سانپ ہمارے لیے بھی خطرناک ثابت ہو سکتا تھا۔" محمود بڑبڑایا۔

سانپ دھوئیں سے بے ہوش ہو گیا تھا، لہذا اسے مار دیا گیا۔ لاش اور دولت تہہ خانے سے باہر لائی گئی۔ لاش کو جب کمرے سے باہر نکالا گیا تو آس پاس کے لوگ اس کے گرد جمع ہو گئے۔ ان کی آنکھوں میں حیرت دوڑ گئی۔

"کیا آپ لوگ اس شخص کو جانتے ہیں؟"

"جی ہاں، یہ بہت عرصے سے یہاں رہتا تھا۔ ہم نے اسے آج تک کوئی کام کرتے نہیں دیکھا، پھر بھی یہ اچھا کھاتا اور پیتا تھا۔ رات کے وقت کچھ لوگ اس سے ملنے آیا کرتے تھے۔ یہ سب کے لیے ایک پراسرار آدمی تھا، لیکن چونکہ اس کی وجہ سے کبھی کسی کو کوئی تکلیف نہیں پہنچی تھی۔ اس لیے محلے والوں نے بھی کبھی اس کی کسی سے شکایت نہیں کی، نہ جانے یہ شخص کیا کام کرتا تھا۔"

"دولت کا ایک ڈھیر ملا ہے اس مکان کے تہہ خانے سے۔" اکرام نے انہیں بتایا۔

"تہہ خانہ — اوہو، کیا اس مکان کے نیچے کوئی تہہ خانہ بھی ہے" — ایک پڑوسی کے منہ سے حیرت زدہ انداز میں نکلا۔

"جی ہاں — خیر، معلوم یہ ہوا کہ اس شخص کے بارے میں کوئی کچھ نہیں جانتا کہ اس کا نام کیا تھا، کون تھا، اس کا کوئی عزیز رشتے دار ہے یا نہیں"

"جی نہیں، ہم لوگوں کو تو اس کا نام تک معلوم نہیں"

"ٹھیک ہے" اکرام نے کندھے اچکائے۔

کارروائی مکمل کرکے وہ وہاں سے روانہ ہوئے۔

"انکل، کیا آپ کو اس بات پر سو فی صد یقین ہے کہ کنگ رائے کرائے کا قاتل تھا"

"ہاں، پولیس بہت عرصے سے اس کے پیچھے لگی ہوئی تھی۔ لیکن اس کے خلاف کوئی ثبوت حاصل نہیں کر سکی، اس لیے اسے گرفتار بھی نہیں کیا جا سکا"

"ہوں، تب تو اس کا مطلب یہ بنتا ہے کہ وہ سیاہ فام، جس نے حامد کریم کو ہلاک کیا، یہی کنگ رائے تھا — اس نے ایک سیاہ فام کا میک اپ کر رکھا تھا"

"اس کے علاوہ اور کیا کہا جا سکتا ہے"

"اور اس کا یہ مطلب بھی نکلتا ہے کہ کنگ رائے کو کسی نے حامد کریم یا نواب خالد کریم کے قتل کے لیے معاوضہ دیا تھا"

"بالکل یہی بات ہے"

"گویا ہمیں اس شخص کا پتا چلانا ہے، جو حامد کریم کو ہلاک کرانا چاہتا تھا اور اگر کنگ رائے کا نشانا چوک گیا تھا تو پھر وہ شخص نواب خالد کریم کو ہلاک کروانا چاہتا تھا — حامد کریم کی موت سے ان کے بھائی اور بیوی کو فائدہ پہنچتا ہے اور نواب خالد کریم کی موت سے حامد کریم کو فائدہ پہنچتا، تو کیا یہ چکر حامد کریم کا چلایا ہوا تھا اور غلطی سے مارا گیا وہ خود — یعنی جو گڑھا اس نے اپنے بھائی کے لیے کھودا تھا، اس میں وہ خود گر گیا" محمود نے پر خیال لہجے میں کہا۔

"اوہ، اس پہلو کی طرف تو ہم نے دھیان ہی نہیں دیا۔ ایسے اس کا زبردست امکان ہے" فاروق بھی چونک کر بولا۔

"لیکن —" فرزانہ نے لیکن پر زور دینے اور چند سیکنڈ تک ٹھہرنے کے بعد کہا: "حامد کریم کو دولت کی ضرورت نہیں تھی۔ اس کا حصہ تو پہلے ہی بنک میں محفوظ پڑا ہے — ہاں نواب خالد کریم کی فرم ان کے بیان کے مطابق بہت نقصان میں جا رہی ہے، گویا انہیں پیسوں کی بہت ضرورت ہے"

"ہوں — خیر، پہلے تو ہم تحریر کے نمونے چیک کریں گے" محمود نے کہا۔

اکرام تو لاشوں کے ساتھ چلا گیا — انہوں نے نواب خالد

کی کوٹھی کا رخ کیا — یہاں سب لوگ شاید انہی کا انتظار کر رہے
تھے۔ وہ ڈرائنگ روم میں بیٹھے تھے — محمود نے کچھ سوچ کر کہا :
"یہ اچھا ہے کہ آپ سب یہاں موجود ہیں — میں آپ
لوگوں کو ایک اہم خبر سنانا چاہتا ہوں۔"
"تو کیا قاتل پکڑا گیا ہے ؟" روبی نے جلدی سے پوچھا۔
"جی، کچھ ایسی ہی بات ہے" محمود نے کہا، پھر سب پر
ایک نظر ڈالی اور قدرے بلند آواز میں بولا :
"کنگ رائے اب پولیس کے قبضے میں ہے۔"
ان الفاظ کے ساتھ ہی انہوں نے بغور ان سب کا جائزہ لیا
لیکن کوئی اندازہ نہ لگا سکے — نواب خالد کریم نے ضرور حیرت
بھرے لہجے میں کہا۔
"کنگ رائے، کون کنگ رائے ؟"
"وہی شخص جس نے حامد کریم صاحب کو گولی ماری، جو
روبی صاحبہ کو کھڑکی میں نظر آیا۔"
"تو کیا یہ کنگ رائے کوئی سیاہ فام آدمی ہے" — نواب
صاحب نے بے چین ہو کر کہا۔
"جی نہیں، بلکہ اس نے سیاہ فام آدمی کا میک اپ کیا
ہوا تھا؛ گویا یہ ظاہر کرنا چاہتا تھا کہ سوزانی درندہ نواب صاحب
کو ہلاک کرنے کے لیے آ چکا ہے — لیکن اس کا نشانا بن گئے

حامد کریم صاحب — اب خدا جانے اس نے جان بوجھ کر حامد کریم
صاحب کو نشانہ بنایا تھا یا اس کا نشانا چوک گیا تھا۔"
"تت، تو کیا آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ اس معاملے کا
تعلق کسی سوزانی درندے سے نہیں ہے۔" روبی نے تقریباً چیخ
کر کہا۔
"ہاں، ہمارے ملک میں اس وقت کسی سوزانی درندے کا
وجود نہیں ہے۔"
"تو پھر وہ خط کس نے لکھا تھا ؟" نواب خالد کریم چیخ اٹھے۔
"ہم ابھی تحریر کے نمونے چیک کرتے ہیں — آپ لوگ
چند منٹ انتظار کریں، ابھی دودھ کا دودھ پانی کا پانی ہوا جاتا
ہے۔"
محمود نے وہ کاغذ جس پر نواب صاحب نے تحریر کے نمونے
لے کر دیے تھے اور سوزانی درندے والا خط نکال کر پاس پاس
رکھے اور پھر تینوں ان پر جھک گئے۔ خیر ہوئی، سر آپس میں نہیں
ٹکرائے۔ چند منٹ تک ایک ایک نقطہ اور ایک ایک سطر دیکھنے
کے بعد سر اوپر اٹھائے تو ان کی آنکھوں میں بلا کی حیرت تھی۔
اور حیرت کے ساتھ ساتھ خوف بھی تھا — محمود چند لمحے تک ان
سب کو ڈرامائی انداز میں دیکھتا رہا، پھر انسپکٹر جمشید کی نقل کرتے
ہوئے بولا :

"نواب صاحب، ہم آپ کو ایسا خیال نہیں کرتے تھے، افسوس!"

"کیا مطلب؟" نواب صاحب بوکھلا اُٹھے۔

"مطلب یہ کہ، اپنے بھائی کے قاتل آپ خود ہیں۔ سوزانی درندہ نہیں — دوسرے لفظوں میں یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ سوزانی درندہ آپ خود ہیں۔"

"یہ — یہ کیا بکواس ہے۔" نواب صاحب نے چیخ کر کہا۔ ان کی آنکھیں غصے سے سرخ ہوگئیں — انہیں خوف محسوس ہونے لگا کہیں وہ ان پر جھپٹ ہی نہ پڑیں — آخر انہوں نے سانپ کی طرح پھنکارتی آواز میں کہا:

"رؤف احمد، پولیس کو فون کرو اور اس کے بعد انسپکٹر جمشید کے نمبر ملاؤ۔ ان سے میں خود بات کروں گا۔"

"جی بہتر۔" رؤف احمد نے کہا اور پولیس کو فون کرنے لگا۔ اس کے بعد اس نے انسپکٹر جمشید کے نمبر نوٹ بک میں دیکھ کر ڈائل کیے اور ریسیور ان کی طرف بڑھاتے ہوئے بولا:

"ان کی بیگم بول رہی ہیں۔"

"لاؤ۔" نواب صاحب نے اکڑے ہوئے لہجے میں کہا۔

"ہیلو بیگم جمشید، میں نواب خالد کریم بول رہا ہوں۔"

"السلام علیکم بھائی جان، کیسے کیا رہا — محمود، فاروق اور فرزانہ کیس حل کرنے میں کہیں ناکام تو نہیں ہوگئے۔" دوسری طرف سے

بیگم جمشید کی آواز آئی۔

"جی ہاں، بالکل ناکام ہوگئے ہیں۔ انہوں نے تو الٹا مجھے قاتل قرار دے دیا ہے، لہذا انسپکٹر جمشید صاحب کا فوری طور پر یہاں پہنچنا بہت ضروری ہے؛ ورنہ خدا جانے کیا ہو جائے۔"

"افسوس، وہ نہیں آ سکتے۔ میں انہیں آپ کا پیغام بھی نہیں دے سکتی، صرف اسی وقت دے سکتی ہوں، جب وہ خود مجھے بلائیں اور پوچھیں۔"

"چاہے آپ کے بچے مجھے حوالات بھجوا دیں۔" نواب صاحب تلملا اٹھے۔

"وہ اگر ایسا کریں گے تو کچھ سوچ سمجھ کر کریں گے، کوئی ٹھوس وجہ ہوگی ان کے پاس۔" وہ بولیں۔

"خیر، میں دیکھتا ہوں کہ مجھے کس طرح حوالات بھجواتے ہیں۔" یہ کہہ کر انہوں نے ریسیور پٹخ دیا اور ان کی طرف مڑے:

"ہاں بھئی، تمہارے خیال میں میں مجرم کس طرح ہوں؟"

"اس خط کے ذریعے — یہ خط آپ نے خود لکھا ہے، کیونکہ تحریر کے نمونوں والے کاغذ پر آپ کی تحریر اور اس خط کی تحریر میں بال برابر بھی فرق نہیں ہے۔" محمود بولا۔

"یہ — یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔ اس خط کو تو میں نے بھی پڑھا تھا، پھر میں نے یہ بات کیوں محسوس نہ کی۔" نواب صاحب

بوکھلا کر بولے۔

"آپ کس طرح محسوس کر سکتے تھے آپ کو تو یہ بات معلوم ہی تھی کہ خط آپ نے لکھا ہے۔"

"ہرگز نہیں، یہ غلط ہے۔"

"دیکھ لیجیے، دوسروں کو دکھا لیجیے۔ لیکن تحریر کی شناخت کرنا ہر آدمی کے بس کی بات نہیں، لہٰذا ہم اس کے لیے تحریر کے ماہر کو یہاں بلوا لیتے ہیں، تاکہ مکمل طور پر فیصلہ ہو سکے۔"

"ٹھیک ہے، یہ ضرور کریں، لیکن پہلے تو اس خط کو میں خود دیکھنا چاہتا ہوں۔" یہ کہہ کر نواب صاحب نے خط لیا اور اسے بغور دیکھا، پھر حیرت زدہ انداز میں بولے:

"کمال ہے، پہلے میں نے یہ بات کیوں محسوس نہیں کی۔ یہ تو واقعی میرے ہاتھ کا لکھا ہوا خط نظر آتا ہے، لیکن خدا کی قسم میں نے یہ خط نہیں لکھا۔"

"قسم کھانے کی ضرورت نہیں نواب صاحب، تحریر کا ماہر ہی فیصلہ کرے گا۔ ہم تسلیم کرتے ہیں، کچھ لوگ دوسروں کے طرزِ تحریر کی بہت اچھی نقل بھی کر لیتے ہیں، لیکن ایک ماہر کے لیے اصل اور نقل میں تمیز کرنا کچھ مشکل نہیں ہوتا۔"

یہ کہہ کر محمود نے انسپکٹر جمشید کے ایک دوست تحریر کے ماہر کو فون کیا اور اس سے بولا:

"ہیلو انکل گرمانی، یہ میں ہوں محمود۔ آپ کی نواب خالد کریم صاحب کے ہاں اشد ضرورت ہے، فوراً تشریف لے آئیں۔ ایک قتل کا معاملہ ہے۔"

"اچھا، میں آ رہا ہوں۔" گرمانی نے کہا۔

محمود نے ریسیور رکھ دیا۔ کمرے میں موت کا سناٹا طاری ہو گیا۔ وہ سب کھوئے کھوئے سے نظر آ رہے تھے۔ شاید ان میں سے کسی کو بھی یہ یقین نہیں تھا کہ نواب خالد کریم قاتل ہو سکتے ہیں۔ آدھ گھنٹے بعد عقیل گرمانی آ پہنچے۔ انہوں نے تحریر کے نمونوں کو خط کی تحریر سے ملایا۔ اور پھر گویا اعلان کیا۔

"نواب خالد کریم کی تحریر اور اس خط کی تحریر میں ایک فیصد بھی فرق نہیں ہے۔ یہ خط بھی انہوں نے ہی لکھا ہے۔ یہی میرا فیصلہ ہے اور اس فیصلے کو بڑے سے بڑا تحریر کا ماہر بھی نہیں جھٹلا سکتا۔"

"نہیں۔" نواب خالد کریم نے زور سے چیخ ماری، پھر ان کا چہرہ تاریک پڑ گیا۔ آنکھوں سے وحشت جھانکنے لگی۔ انہوں نے پاگلوں کے سے انداز میں کہا:

"مجھے خود بھی یہی محسوس ہو رہا ہے کہ یہ خط میرے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے، لیکن خدا کی قسم، یہ خط میں نے نہیں لکھا۔"

"نواب صاحب، آپ کے قسم کھانے سے کچھ نہیں ہو گا۔ ہمیں

افسوس ہے، آپ کو حوالات میں جانا ہوگا۔ اور وہاں سے جیل۔ اس
دنیا میں انسان جو کرتا ہے، بھرتا ہے۔ جو بوتا ہے، کاٹتا ہے۔ آپ
نے بھی اپنے بھائی کا خون کیا، اب آپ کا بھی خون بہایا جائے
گا۔" محمود نے جذباتی لہجے میں کہا۔

"یہی تو مصیبت ہے، تم سب لوگ مجھے مجرم ثابت کر
دینے پر تل گئے ہو؛ حالانکہ ایسا نہیں ہے، میں قاتل نہیں ہوں۔"
انہوں نے اب بھی پُر زور لہجے میں کہا۔

اسی وقت گھنٹی بج اُٹھی۔ رؤف احمد دروازے کی طرف دوڑا
گیا۔ پولیس آ گئی تھی اور ساتھ میں اکرام بھی آ پہنچا تھا۔ انہیں بھی
سارے حالات سنائے گئے اور پھر پولیس انسپکٹر ہتھکڑیاں لے کر نواب
خالد کریم کی طرف بڑھا۔ وہ خوف زدہ انداز میں پیچھے ہٹے۔

"نہیں، نہیں، نہیں۔"

خوف کا ایسا عالم انہوں نے زندگی میں کبھی کسی کے چہرے پر
نہیں دیکھا ہوگا۔ فرزانہ جو ان کی طرف بہت دیر سے بغور دیکھ
رہی تھی، اچانک بول اٹھی:

"ذرا ٹھہریے انسپکٹر صاحب....!"

سب چونک کر اس کی طرف مُڑے۔ انہوں نے دیکھا، اس کے
ہاتھ میں وہی خط تھا۔

اصل قاتل

"نواب صاحب، ہم مزید اطمینان کیے لیتے ہیں۔ اس وقت
تک آپ کو گرفتار نہیں کریں گے، جب تک کہ مکمل طور پر ثبوت
نہ بہم پہنچا دیں۔ اس کے لیے ہمیں آپ کے تمام کاغذات
دیکھنا ہوں گے۔ آپ کے بھائی کے بھی کاغذات دیکھنا ہوں گے۔
یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ یہ سازش آپ کے بھائی نے آپ
کے خلاف تیار کی ہو اور نشانا وہ خود بن گئے ہوں۔ اب چونکہ
کرائے کا قاتل بھی نہیں بچا، اس لیے اصل حقیقت کس طرح
معلوم ہو۔ یہ اگرچہ بہت مشکل ہوگیا ہے اور اس تحریر کے ثبوت
کی موجودگی میں آپ کو بآسانی جیل بھیجا جا سکتا ہے۔ لیکن ہم
آپ کا اعتراض رد کرنے کے لیے کچھ اور ثبوت تلاش کرنے کی
کوشش کرتے ہیں۔ کہیے، کیا آپ کو کوئی اعتراض ہے؟"

"بھلا مجھے کیوں اعتراض ہونے لگا۔ میرے لیے تو یہ بات
ڈوبتے کو تنکے کا سہارا کے برابر ہے۔" نواب صاحب نے خوش

ہو کر کہا۔

"ٹھیک ہے، ہم آپ سب لوگوں کے کاغذات وغیرہ دیکھیں گے اور حالات کا بغور جائزہ لیں گے۔ مہربانی فرما کر ہمیں اپنے اپنے کمروں میں جانے کی اجازت دیجیے۔"

"آپ کس کس کا کمرہ دیکھنا چاہتے ہیں؟" نواب خالد کریم حیران ہو کر بولے۔

"آپ کا اور روبی صاحبہ کا، کیونکہ اگر قاتل آپ نہیں ہیں تو پھر روبی صاحبہ ہیں۔ یا پھر حامد کریم اپنے قاتل خود ہیں۔"

"کیا کہا، میں اور قاتل۔ آپ لوگوں کا دماغ تو نہیں چل گیا۔ بھلا میں اپنے شوہر کو ہلاک کرنے کی سازش کیوں کرتی۔"

"دولت حاصل کرنے کے لیے۔"

"لیکن دولت تو شوہر کی موجودگی میں بھی میری ہی تھی۔"

"یہ آپ کا کہنا ہے۔ حقیقت کیا ہے، ابھی تک شاید کوئی نہیں جانتا۔ ہاں، کنگ رائے ضرور جانتا تھا۔ یا وہ آدمی جس نے کنگ رائے کو اس کام کے لیے مقرر کیا تھا۔"

"اُف خدا، یہ تو سب کو قاتل بنائے دے رہے ہیں۔" روبی نے کانپ کر کہا۔

"حوصلہ رکھو روبی، ہم بے گناہ ہیں۔ انشاءاللہ بے گناہ ثابت ہوں گے۔"

"آپ روبی صاحبہ کے بارے میں یہ بات کس طرح کہہ سکتے ہیں۔" فرزانہ نے انہیں گھور کر دیکھا۔

"میں روبی کو اچھی طرح جانتا ہوں، یہ کسی کو قتل نہیں کر سکتیں۔"

"خیر، دیکھا جائے گا۔"

پانچ منٹ بعد وہ نواب خالد کریم کے کمرے میں داخل ہو رہے تھے۔

"اچھا بھلا قاتل گرفتار ہونے جا رہا تھا۔ یہ نئی جاسوسی کی ٹانگ اڑانے کی کیا ضرورت تھی۔" فاروق نے فرزانہ کو کھا جانے والی نظروں سے گھورا۔

"پتا نہیں، مجھے نواب خالد کریم کی نظروں میں کیا بات نظر آئی کہ میں مزید تفتیش پر مجبور ہو گئی۔ دوسرے مجھے یہ خوف بھی محسوس ہوا تھا کہ کہیں اباجان ہمارا مذاق نہ اڑائیں، کیوں نہ ہم اپنا اور اطمینان کر لیں۔"

"لیکن ان کاغذات سے ہم مزید اطمینان کس طرح کر سکتے ہیں۔" محمود جھنجھلا کر بولا۔ اسے بھی اس مرحلے پر فرزانہ کی یہ دخل اندازی ایک آنکھ نہیں بھائی تھی۔

"یہ دیکھو، میں یہ خط ساتھ لائی ہوں۔ اسے غور سے دیکھو۔ کیا تمہیں اس میں کوئی عجیب بات نظر آتی ہے؟" فرزانہ نے

سوزانی ورندے والا خط ان کی آنکھوں کے سامنے لہرایا۔

"اس خط کو تو ہم کئی بار پڑھ اور دیکھ چکے ہیں — اس میں عجیب بات کون سی رہ گئی جو ہمیں اب تک نظر نہیں آئی اور تمہیں یکایک نظر آگئی۔" فاروق نے جل کر کہا۔

"یہی تو بات ہے — لو اچھے بچوں کی طرح ایک بار اور اسے غور سے دیکھو — ایک جاسوس کی نظروں سے دیکھو۔"

"اوہو، بڑی جاسوس بن رہی ہو آج۔" محمود نے طنز بھرے لہجے میں کہا اور خط اس کے ہاتھ سے لے کر اسے غور سے دیکھا، پھر بولا:

"مجھے تو اس میں کوئی بھی عجیب بات نظر نہیں آئی۔"

"تو پھر یہ فاروق کو دے دو۔" فرزانہ مسکرائی۔ محمود نے بُرا سا منہ بنا کر خط فاروق کو دے دیا — اس نے بھی بغور اسے دیکھا اور بولا:

"عجیب کیا، اس میں تو کوئی غریب بات بھی نہیں ہے۔"

"لاؤ، میں تمہیں دکھاؤں، اس میں کیا عجیب بات ہے۔" فرزانہ نے خط اس کے ہاتھ سے جھپٹ لیا اور بولی:

"یہ خط، جیسا کہ تم دونوں بغور دیکھ چکے اور جائزہ لے چکے ہو، فاؤنٹین پین سے لکھا ہوا ہے۔ کیوں ٹھیک ہے نا؟"

"ہاں ٹھیک ہے۔ ہم تمہارا مطلب پہلے ہی سمجھ چکے ہیں۔"

"اچھا، اب اس خط کو الٹ کر دیکھو، ساری حقیقت ایک ل میں سامنے آجائے گی۔" اس نے ڈرامائی انداز میں کہا۔

محمود نے بے تابانہ انداز میں خط الٹ دیا — دونوں کی ظریں خط کی پشت پر گویا چپک کر رہ گئیں اور پھر ان کی آنکھیں یرت سے پھیل گئیں۔

○

کاغذ کے دوسری طرف حروف کے نشانات ابھرے ہوئے ھے، جب کہ فاؤنٹین پین سے لکھنے کی صورت میں کاغذ کے دوسری طرف حروف کے نشانات ابھرنے کا کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا۔"

"اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ نواب خالد کریم کی تحریر میں سے حروف کاٹ کاٹ کر خط کے مضمون کے مطابق ایک کاغذ پر چپکائے گئے، پھر اس کاغذ کے نیچے ایک اور کاغذ رکھا گیا۔ دونوں کاغذات کو نرم سطح یا کاغذ کے دستے کے اوپر رکھ کر ان حروف پر بال پوائنٹ قلم لگا کر پھیرا گیا، اس طرح نچلے کاغذ پر حروف بن گئے، پھر ان حروف پر فاؤنٹین قلم پھیرا گیا۔ اس طرح خط ہو بہو نواب خالد کریم کی تحریر میں لکھا گیا۔ یہی وجہ ہے کہ ماہر

تحریر بھی اسے نقل نہیں کہہ سکا۔ اُف فرزانہ، تم نے نواب خالد کریم
کو بچا لیا، ورنہ ہم نے تو اسے پھانسی کے تختے تک پہنچا دیا تھا:
محمود نے کپکپاتی آواز میں کہا۔

"میں نے نہیں، انہیں تو اللہ تعالیٰ نے بچایا ہے۔ بچانے
والی ذات تو بس اسی کی ہے۔" فرزانہ بولی۔

"میرا خیال ہے، اگر اس پہلو کی طرف تمہاری نظر نہ جاتی تو
دنیا کا بڑے سے بڑا وکیل بھی نواب خالد کریم کو بے گناہ ثابت نہ کر
سکتا۔" فاروق نے کہا۔

"مجھے تو حیرت اس بات پر ہے کہ اس قدر شاندار سکیم قاتل
نے کس طرح تیار کر لی۔ کم از کم میں اسے حد درجے ذہین تسلیم
کرتی ہوں۔" فرزانہ بولی۔

"لیکن کون سے قاتل نے، کیا اس قتل کی سکیم کنگ رائے
نے تیار کی تھی، یا اصل قاتل نے ۔۔۔ ارے، ہم اصل قاتل کو تو
بھول ہی گئے۔ سوال تو یہ ہے کہ اگر نواب خالد کریم بھی قاتل
نہیں ہیں تو پھر قاتل ہے کون؟" محمود نے چونکتے ہوئے انداز میں
کہا۔

"لاحول ولا قوۃ ۔۔۔ معاملہ تو وہیں کا وہیں رہا۔" فاروق نے
بُرا سا منہ بنایا۔

"نہیں بھئی، معاملہ وہیں کا وہیں نہیں رہے گا ۔۔۔ اب ہمارے پاس

صرف ایک آدمی ایسا بچا ہے" جو قاتل ہو سکتا ہے اور وہ ہے
روبی۔ روبی کے کمرے سے اگر ہمیں کاٹے ہوئے حروف مل
جائیں تو کیس مکمل ہے۔"

"اُف خدا، روبی کے بارے میں تو میں نے سوچا بھی نہیں
تھا۔" فرزانہ بڑبڑائی۔

"شاید اس لیے کہ وہ عورت ذات ہے۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"ہاں، اسی لیے ۔۔۔ پھر، تم سے مطلب؟" فرزانہ نے بھنّا کر
کہا۔

"آج تو جلنے کے سابقہ ریکارڈ توڑے ڈال رہی ہو۔" فاروق
مسکرایا۔

"جلتی ہے میری جوتی۔" اس نے غصے میں آ کر کہا

"اس سے پہلے کہ تم ایک دوسرے پر حملہ آور ہو جاؤ،
میں تمہارے درمیان سے نکل کر روبی صاحبہ کے کمرے میں داخل
ہو جانا پسند کروں گا۔" یہ کہہ کر محمود واقعی ان کے درمیان سے
ہوتا ہوا باہر نکل گیا ۔۔۔ دونوں بھی فوراً اٹھے اور اس کے پیچھے
روبی کے کمرے میں داخل ہوئے اور کاغذات کی چھان بین شروع
کر دی۔

"آخر روبی کو دولت کی ایسی کیا ضرورت پڑ گئی کہ شوہر کو
قتل کر کے اس کے قتل کا الزام بڑے بھائی پر ثابت کر دے اور

ساری دولت اور جائیداد کی خود مالک بن جائے۔ شوہر کو کھو کر
وہ کیا کرے گی اتنی دولت کا" محمود نے سوچ میں ڈوبے
ہوئے لہجے میں کہا۔

"انسان بھی عجیب مخلوق ہے ۔۔ آج تک اسے کوئی نہیں
سمجھ سکا۔ اس کے لالچ کا دامن بعض اوقات اس قدر کشادہ
ہو جاتا ہے کہ کوئی انتہا نہیں رہتی ۔۔ اس کے علاوہ ہم کیا
کہہ سکتے ہیں کہ روبی صاحبہ کو بھی لالچ لے ڈوبا" فرزانہ بولی۔

"نہ جانے کیا بات ہے، میرا دل پکار پکار کر کہہ رہا ہے کہ
روبی قاتل نہیں ہو سکتی"۔

"لیکن ہمارا نعرہ ہے، ہونے کو دنیا میں کیا نہیں ہو سکتا"

انہوں نے ایک ایک کاغذ دیکھ ڈالا، لیکن کوئی ثبوت نہ
مل سکا۔ ثبوت کے بغیر وہ روبی کو گرفتار نہیں کر سکتے تھے۔
خالد کریم کے خلاف تو انہیں ثبوت مل گیا تھا، یہ اور بات ہے
کہ وہ نقلی ثبوت ثابت ہوا۔

"اب کیا کریں؟" فرزانہ کے منہ سے نکلا ۔۔ وہ کافی بے
چین نظر آ رہی تھی۔

"کیا، کیا ہم یہ کیس حل نہیں کر سکیں گے اور ہمیں ابا جان
کو مدد کے لیے بلانا ہوگا" فاروق نے کہا۔

"نہیں، ہم یہ کیس ضرور حل کریں گے۔ میری سمجھ میں ایک

بات آئی ہے" فرزانہ نے مکا میز پر مارا۔

"خدا کا شکر ہے، اس کیس کے دوران کم از کم ایک بات تو
تمہاری سمجھ میں آ ہی گئی ہے" فاروق نے خوش ہو کر کہا۔
اور فرزانہ نے اسے گھور کر دیکھا۔

"ہاں فرزانہ، جلدی کہو، تمہاری سمجھ میں کیا بات آئی ہے"

"کان ادھر لاؤ، کیونکہ دیواروں کے بھی کان ہوتے ہیں"

محمود اور فاروق حیرت زدہ انداز میں اس کے قریب ہو گئے۔
پھر فرزانہ ان کے کانوں میں کھسر پھسر کرنے لگی ۔۔ ان کی آنکھیں
حیرت اور خوف سے پھیلتی چلی گئیں۔

وہ دن کبھی نہ آئے

چند منٹ بعد وہ اس کمرے سے نکل رہے تھے۔

"آپ لوگ آ گئے۔ کہیے، اب کیا خیال ہے۔ میں مجرم ثابت ہوا یا نہیں۔" انہیں ڈرائنگ روم میں داخل ہوتے دیکھ کر نواب خالد کریم بولے۔

"کچھ دیر اور انتظار کیجیے، ہمیں تھوڑی دیر کے لیے باہر جانا ہے، واپسی پر ہم آپ کو بتا سکیں گے کہ آپ مجرم ہیں یا نہیں۔"

"آپ کہاں جانا چاہتے ہیں؟" وہ حیران ہو کر بولے۔

"ابھی یہ بات نہیں بتائی جا سکتی، خدا حافظ۔" محمود نے کہا اور تینوں کمرے سے نکل آئے۔

ایک منٹ بعد وہ موٹر سائیکلوں پر بیٹھے ایک سمت میں اُڑے جا رہے تھے اور ٹھیک دو گھنٹے بعد ان کی واپسی ہوئی — سب لوگ ابھی تک ڈرائنگ روم میں موجود تھے اور ان کے چہروں

سے شدید الجھن کے آثار جھانک رہے تھے۔

"ہاں بھئی، کیا رہا — میں مجرم ثابت ہوا یا نہیں۔" نواب خالد کریم بے چین ہو کر بولے۔

"آپ اپنے خیال میں مجرم ہیں یا نہیں؟" فاروق بول اٹھا۔

"بالکل بھی نہیں۔"

"ٹھیک ہے — ہمارے خیال میں بھی آپ بالکل بے گناہ ثابت ہوئے ہیں۔"

"لیکن کیسے؟ اب آپ اس خط کو کس خانے میں فٹ کریں گے؟" نواب خالد کریم نے حیران ہو کر کہا۔

"اس خط کے لیے خانہ ہی تو تلاش کرنے گئے تھے۔"

"ہماری تو کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا کہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔"

"پولیس آنے ہی والی ہے۔ اس کی موجودگی میں ہی ساری بات بتائیں گے۔ ہم آتے ہوئے پولیس کو فون کر آئے ہیں۔"

کمرے میں ایک بار پھر گہری خاموشی چھا گئی — ہر ایک کا دل دھک کر رہا تھا — ایسے میں رؤف احمد سوزانی نے کہا:

"جناب، مجھے تو اب اجازت ہی دیں — میرے بیوی بچے انتظار کر رہے ہوں گے۔"

"ٹھیک ہے رؤف، تم جا سکتے ہو۔"

"کیا ان کے بیوی بچے بھی ہیں؟" محمود نے حیران ہو کر کہا۔

"جی ہاں، اس کے مسلمان ہونے کے بعد میں نے اس کی شادی کرا دی تھی۔"

"رؤف احمد صاحب، کیا آپ کو یہ جاننے کی بے تابی نہیں کہ مجرم کون ہے؟"

"جی، جی ہاں — ہے کیوں نہیں۔" اس نے گڑبڑا کر کہا۔

"پھر آپ کیوں جا رہے ہیں، ذرا دیر اور رک جائیے نا۔" فاروق بولا۔

"جی بہت بہتر۔" اس نے کہا اور پھر ایک تپائی پر ٹک گیا — اسی وقت بھاری قدموں کی آواز سنائی دی۔ اکرام اور چند دوسرے پولیس افسر آتے دکھائی دیے۔

"شکر ہے خدا کا، آپ لوگ پہنچے تو۔" محمود نے اطمینان کا سانس بھرا۔

"خیر تو ہے — یہاں تو بہت گہری سنجیدگی معلوم ہوتی ہے۔" اکرام نے حیران ہو کر کہا۔

"جی ہاں، ہم دراصل یہ بتانے والے ہیں کہ مجرم کون ہے۔ اس سے پہلے ہم نے اعلان کیا تھا کہ مجرم خود نواب خالد کریم ہیں، لیکن پھر ایک عجیب بات سامنے آئی اور اس بات کو فرزانہ نے

نوٹ کیا، لہٰذا حالات اور واقعات کا نئے سرے سے جائزہ لیا گیا۔ چنانچہ اب ہم یہ جاننے میں کامیاب ہو گئے ہیں کہ مجرم کون ہے اور اس مرتبہ تو مکمل ترین ثبوت بھی ہم نے حاصل کر لیا ہے۔" محمود نے جلدی جلدی کہا۔

"بہت خوب، گویا اس مرتبہ تم نے پورا کیس انسپکٹر صاحب کی مدد کے بغیر حل کر لیا۔" اکرام خوش ہو کر بولا۔

"جی ہاں، اللہ کی مہربانی ہے۔" فاروق شرما کر بولا۔

"خیر تو پھر بتاؤ — یہ سب معاملہ کیا ہے، مجرم کون ہے؟"

"جی ہاں ضرور، سنیے — مجرم دراصل امجد نجیب، یعنی روبی کے والد ہیں۔"

"کیا؟ نہیں۔" روبی خوف زدہ انداز میں چلائی۔

"یہ کیا بکواس ہے، میرا اس معاملے سے بھلا کیا تعلق؟" امجد نجیب بھی ہتھے سے اکھڑ گیا۔

"تعلق ہم بتائیں گے اور ثابت کریں گے۔"

"بہت خوب، جلدی بتاؤ۔"

"اس خط کو بغور دیکھیے — کاغذ کی دوسری سائڈ بھی دیکھیے، اس طرف آپ کو حروف ابھرے نظر آئیں گے — مجرم سے غلطی دراصل یہیں ہوئی ہے۔ اسے یہ خط بال پوائنٹ قلم سے لکھنا چاہیے تھا۔"

"ہم — ہم کچھ نہیں سمجھے —" نواب خالد کریم نے بوکھلا کر کہا۔
دوسری طرف امجد نجیب کا رنگ اڑ چکا تھا۔ اس کے برعکس روبی
وحشت زدہ تھی — آنکھوں میں غم اور غصے کے طوفان اُمڈ رہے
تھے۔

"ابھی سمجھ جائیں گے — امجد نجیب صاحب نے سب کام سوچے
سمجھے منصوبے کے تحت کیا ہے — اس نے کرائے کے قاتل کنگ
رائے سے بات کی اور کہا کہ حامد کریم کو اس طرح ہلاک کیا جائے
کہ شک نواب خالد کریم پر جائے — نہ صرف شک جائے، بلکہ
جرم بھی اس پر ثابت ہو جائے، تاکہ وہ پھانسی چڑھ جائے اور
حامد کریم کی دولت کے ساتھ ساتھ نواب خالد کریم کی دولت بھی
روبی کو مل جائے۔ ظاہر ہے، ان دونوں کے مرنے کے بعد روبی
باپ کی پناہ میں ہی جاتی اور اس طرح اسے بیٹھے بٹھائے ایک
دولت مند ترین بیوہ بیٹی مل جاتی — یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ
امجد نجیب کو اس قدر دولت کی کیا ضرورت تھی — کیا صرف لالچ
کی وجہ سے اس نے اتنا خوف ناک منصوبہ بنایا — جی نہیں، بات
در اصل یہ ہے کہ یہ ملک کے اون کے سب سے بڑے تاجر ہیں۔
لیکن پچھلے سال انہیں اس کاروبار میں کروڑوں روپے کا نقصان ہو
گیا تھا۔ اپنے کاروبار کو سنبھالا دینے کے لیے اسے بہت زیادہ رقم
کی ضرورت تھی۔ رقم کسی طرح پوری نہیں ہو رہی تھی؛ چنانچہ اس

نے اس گھرانے کی کل جائیداد ہتھیانے کا پروگرام بنایا — منصوبہ
بہت سوچ سمجھ کر بنایا گیا تھا، لیکن اس میں خامی صرف یہ رکھی
گئی کہ خط فونٹین پین سے لکھا گیا —
"خامی رکھی گئی، کیا مطلب؟" اکرام نے حیران ہو کر کہا۔
"مطلب یہ کہ یہ منصوبہ امجد نجیب نے خود نہیں بنایا تھا"
محمود نے کہا۔
"تو پھر کس نے بنایا تھا؟" نواب خالد کریم نے حیران ہو کر کہا۔
"ایک شخص ماسٹر جالوم نے — وہ منصوبے بنانے کا ماہر تھا۔
لوگوں کو منصوبے بنا کر دیتا تھا اور اس کام کا اچھا بھلا معاوضہ
لیتا تھا۔ حامد کریم کے قتل کا منصوبہ بھی اسی سے بنوایا گیا اور یہ
منصوبہ کنگ رائے نے اس سے بنوایا — کیونکہ امجد نجیب نے یہ
کام کنگ رائے کے سپرد کیا تھا — یہ خود موقعے سے دور اپنی
موجودگی ثابت کر کے صاف بچ جانا چاہتا تھا — یہ ہے کل کہانی۔"
"لیکن آپ کو یہ سب باتیں کس طرح معلوم ہوئیں؟" اکرام نے
حیران ہو کر کہا۔
"ہم نے جب کاغذ کے دوسری طرف حروف ابھرے ہوئے
دیکھے تو اس نتیجے پر پہنچے کہ یہ کام نواب صاحب کا نہیں ہے —
چونکہ کنگ رائے فرار ہو کر سیدھا ماسٹر جالوم کے ہاں گیا تھا — اس
لیے ہم نے ایک بار پھر ماسٹر جالوم کے بچے کھچے گھر کی تلاشی لینے کا

پروگرام بنایا— اس محفوظ کمرے سے ہمیں ایک ڈائری مل گئی۔
اس ڈائری میں یہ بات درج ہے کہ حامد کریم کے قتل کا منصوبہ
اس سے کنگ رائے بنوانے آیا تھا اور چونکہ وہ میک اپ میں آیا
تھا، اس لیے اسے اس کی نیت میں کھوٹ نظر آیا؛ چنانچہ اس
نے منصوبے میں ایک خاص خامی رکھ دی اور خود بھی اس کا لایا
ہوا پچاس ہزار روپے کا بریف کیس نہ کھولا، جو آخر کار دھماکے
سے پھٹ گیا— اس کا مکان گر گیا، چونکہ خود مجرمانہ کام کرتا
رہا تھا اور تہہ خانے میں اس کے پاس دولت کا انبار جمع تھا،
اس لیے پولیس کو اطلاع نہ دے سکا اور بچ جانے والے
کمرے میں رہتا رہا— لیکن اس ڈائری سے بھی یہ نہ معلوم ہو
سکا کہ کنگ رائے نے یہ کام کس کے لیے کیا تھا، لیکن نواب صاحب
کے جیل چلے جانے کے بعد صرف دو ہی آدمی بچتے تھے، جنہیں
فائدہ پہنچ رہا تھا— روبی صاحبہ اور امجد نجیب، روبی صاحبہ کے کمرے
سے ہمیں وہ چیز نہ ملی، جس کی تلاش تھی، لیکن امجد نجیب کے
گھر سے ہمیں وہ چیز مل گئی— ان کا پتا ہم نے ٹیلی فون ڈائریکٹری
سے لیا اور وہاں پہنچ گئے۔ گھر کے افراد سے صرف اتنا ہی کہنا
پڑا کہ امجد نجیب صاحب نواب خالد کریم کے ہاں موجود ہیں اور
انہوں نے کچھ کاغذات منگوائے ہیں— ساتھ ہی ہم نے اپنا تعارف
کرا دیا۔ وہ لوگ ہم سے اچھی طرح واقف تھے اور پھر ان کے ذہن د

ان میں بھی یہ بات نہیں تھی کہ ان کے گھر کا سب سے بڑا
رد ایک بھیانک مجرم بھی ہو سکتا ہے، لہذا کاغذات دیکھنے اور
ے جانے کی اجازت دے دی۔ ہمیں صرف ایسے خطوط کی تلاش
تھی جو نواب صاحب نے امجد نجیب کو لکھے ہوں اور جن میں سے
ارف کاٹ لیے گئے ہوں— ایسے خطوط تلاش کرنے میں ہمیں
زیادہ دشواری پیش نہیں آئی— امجد نجیب صاحب خود کو اس حد
تک محفوظ سمجھتے تھے کہ انہوں نے ان خطوط کو ضائع کرنے کی
ضرورت نہیں سمجھی۔" یہاں تک کہہ کر محمود خاموش ہو گیا۔
"اور وہ خامی کیا تھی، جو ماسٹر جالوم نے چھوڑی؟"
"یہ کہ سوزانی درندے کی طرف سے امجد نجیب جو خط لکھیں گے
وہ فونٹین پین سے لکھا جائے گا— حالانکہ منصوبے کی ہدایات میں
یہ لکھا جانا چاہیے تھا کہ خط بال پوائنٹ سے لکھا جائے، تاکہ
دوسری طرف ابھر آنے والے نشانات کو کوئی اہمیت نہ دی جائے۔"
"اوہ۔" ان کے منہ سے نکلا—
"ڈیڈی آپ خاموش کیوں ہیں، کہہ دیجیے نا، یہ سب غلط
ہے— آپ نے ایسا نہیں کیا— حامد کو قتل نہیں کرایا— اپنی بیٹی کے
شوہر کو— اپنے داماد کو— بھلا کوئی باپ اپنی بیٹی کو بھی بیوہ کر
سکتا ہے— نہیں نہیں، یہ غلط ہے، بکواس ہے— میں نہیں مانتی—
کوئی باپ ایسا نہیں ہو سکتا— کہہ دیجیے نا ڈیڈی— ان کی بات

ماننے سے انکار کر دیجیے نا ڈیڈی — آپ کے خلاف ضرور سازش کی گئی ہے — آپ کو جال میں پھانسا گیا ہے، یہی بات ہے نا ڈیڈی"

امجد نجیب خاموش رہا، کیا کہہ سکتا تھا — اس کا سر جھک گیا۔

"یہ کیا کہیں گے روبی صاحبہ، جرم تو ان کے چہرے سے ٹپک رہا ہے" فرزانہ بولی۔

"اُف، کیا میں کوئی خواب دیکھ رہی ہوں، کوئی بھیانک خواب" روبی کانپ کر بولی اور پھر اس پر غشی سی طاری ہو گئی — نواب صاحب نے لپک کر اسے سنبھالا۔

پولیس انسپکٹر نے آگے بڑھ کر مجرم کے ہاتھوں میں ہتھکڑی پہنا دی — تھوڑی دیر بعد وہ وہاں سے رخصت ہو رہے تھے — گھر پہنچے تو معلوم ہوا، انسپکٹر جمشید ابھی تک لائبریری میں ہیں۔ وہ دھک سے رہ گئے، لیکن عین اسی وقت دروازہ کھلا اور انسپکٹر جمشید مسکراتے ہوئے باہر نکلے — وہ آنکھیں مل رہے تھے اور چہرے پر تھکن کے آثار طاری تھے۔

"معاف کرنا بھئی، تم لوگوں کو بہت لمبی ڈیوٹی ٹیلی فون پر دینا پڑی"

"معافی اگر مانگنا ہی ہے، تو امی جان سے مانگیے" فاروق مسکرایا۔

"کیوں، کیا تم اس دوران گھر میں نہیں رہے؟"

"جی نہیں، ہمیں ایک کیس نے بلا لیا تھا" فاروق نے کہا۔

"کیس نے بلا لیا تھا" انسپکٹر جمشید حیران ہو کر بولے۔

"جی ہاں، ہم ایک عدد کیس نہایت کامیابی سے حل کر کے ابھی ابھی لوٹے ہیں۔ مجرم کو قانون کے حوالے کر دیا گیا ہے"

"یہ میں کیا سن رہا ہوں" انسپکٹر جمشید حیران ہو کر بولے۔

"اور مزے کی بات یہ کہ کیس آپ کے دوست نواب خالد کریم کا تھا"

"ارے" ان کے منہ سے نکلا۔

اور پھر انہوں نے ساری تفصیل سنا ڈالی — انسپکٹر جمشید کی حیرت کا کیا پوچھنا — آخر ان کے منہ سے نکلا:

"ایک دن تم میرے بھی کان کاٹ جاؤ گے"

"ارے باپ رے، خدا کرے وہ دن کبھی نہ آئے" فاروق نے بوکھلا کر کہا اور وہ مسکرانے لگے۔

ادارہ اشتیاق پبلی کیشنز کے انعامات

آئندہ ماہ کے دونوں خاص نمبروں پر ادارہ

مبلغ ۵۰۰۰ روپے

کے نقد انعامات پیش کر رہا ہے۔ تفصیل درج ذیل ہے:

خاص نمبر سلاٹر کی واپسی کے انعامی جملے پر۔	۔/۲۰۰۰	روپے۔
〃 انسانی دھواں 〃 〃	۔/۲۰۰۰	〃
بہترین خط 〃 〃	۱۰۰/۰	〃
بہترین الزام 〃 〃	۱۰۰/۰	〃
اشتیاق پبلیکیشنز کے ناولوں میں سے ایک پیراگراف پر:	۔/۵۰۰	〃
باقی دو خطوط اور دو الزامات پر ۔/۲۵ فی :	۔/۱۰۰	〃
ناول آستین کا سانپ کا منتخب جملہ	۔/۲۰۰	〃

یہ انعامات آپ کے لیے ہیں — انہیں حاصل کرنے کے لیے پہلی فرصت میں خاص نمبر بک کرالیں یا منی آرڈر اشتیاق پبلیکیشنز کو ارسال کردیں۔ خاص نمبر آپ کو گھر بیٹھے مل جائے گا —

آئندہ ناول کی ایک جھلک:

ساتواں عظیم الشان خاص نمبر ۹۷

محمود، فاروق، فرزانہ، انسپکٹر جمشید اور آفتاب، آصف، فرحت، انسپکٹر کامران مرزا —

سلاٹر کی واپسی

مصنف: اشتیاق احمد

- انسپکٹر کامران مرزا کو ایک پراسرار خط ملا تھا۔
- اس بار ان کی ملاقات آغاز میں ہی ہو جاتی ہے اور کن حالات میں — آپ ہنسے بغیر نہیں رہ سکیں گے۔
- اس دلچسپ ترین ملاقات سے خوفناک حالات شروع ہو گئے۔
- مشرقی پہاڑیاں خون اگل رہی تھیں —